آلا میں دیوا

(ہریانوی زبان پر تحقیقی و تنقیدی مضامین اور مقالہ جات)

مرتب: رانا تصویر احمد



آ ئے مینھ دیوا

مرتّب: راناؔ تصویر احمد

(ہریانوی زبان پر تحقیقی وتنقیدی مضامین اور مقالہ جات)

نوھرہ پبلی کیشنز۔
تصویر محل۔ بہادر پور چوک ۔بوسن روڈ۔ ملتان

نام کتاب:	آئے ینھ دیوا
مرتّبہ:	راناتصویر احمد
کمپوزنگ:	اخترمرزا
اشاعت اول:	نومبر2024
تعداد اشاعت:	300
سرورق:	
قیمت:	500 روپے
ناشر:	نوھرہ پبلی کیشنز۔ تصویر محل۔ بہادر پور چوک بوسن روڈ۔ ملتان

پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز:

نوھرہ پبلی کیشنز۔

مرکزی سیکریٹیریٹ: تصویر محل۔ بہادرپورچوک۔ بوسن روڈ۔ ملتان

انتساب

ہریانْوی زبان و ادب کے محسن اُستاد شاعر نوشاد قاصر مرحوم
کے ان خوابوں کے نام جو ان کی زندگی میں تعبیر نہ پا سکے

فہرست

پیش لفظ

ایک مڑی سی چڑیا. . . . .

اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں جب فورٹ ولیم کالج اپنی شکل نکال رہا تھاتو ہندوستان میں چھاپہ خانہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ ڈاکٹر جان گل کرائسٹ کے زیر اہتمام انگریز مصنفین اور ہندوی فیشیوں کی کتب اشاعت ہونے لگی۔ لیکن اشاعت کا خرچہ اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ یہ سلسلہ بند کرنا پڑا۔ کچھ عرصہ بعد بنگال کے علاقہ سیرام پور میں کچھ عیسائی مبلغین نے بھی چھاپہ خانہ کھول لیا تھا۔ اس میں کتابوں کی اشاعت شروع ہو گئی۔ ہندو ستان کا سماج اس وقت فارسی کے بعد ایک نئی زبان کو قبول کر چکا تھا۔ جو کہ برج بھاشا، کھڑی بولی، ہندی، ریختہ، ہندوی، اردو کے بتدریج ناموں سے اپنی جگہ بنا چکی تھی۔ 1812ء میں اس چھاپہ خانہ میں بھی آگ لگ گئی۔ 1837 میں لیتھو کا چھاپہ خانہ دلی میں قائم ہوا۔ یہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک انقلاب لے آیا۔ اگر ہم تاریخ ہند اور خصوصاً ہندوستان کی زبانوں کی تاریخ مرتب کریں تو دراصل یہاں سے پہلے کے ہندی علوم اور اس کے بعد کے ہندوستان میں ایک واضح فرق پاتے ہیں۔ 1837 سے پہلے کے ہندوستان کے افق پر پائے جانے والے علوم اور دانش کی دستاویزی شکل ہمیں قلمی نسخے، مخطوطے۔ سینہ گزٹ، قصائد، وسائل و جرائد کی صورت میں نظر آتی ہیں۔

اساطیری داستانیں جو ہندوستان کی اپنی تھیں یا فارسی، عربی سنسکرت سے ترجمہ شدہ تھی ان کے مستند نسخے بہت ہی کم ملتے ہیں۔ علم و دانش کا بہت بڑا خزانہ لوگوں کے سینوں میں ہی دفن رہ گیا۔ یا جو کچھ بچ گیا حوادث زمانہ نے اس کی اصل شکل بگاڑ کر رکھ دی۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہ ہے کہ خطہ ہندوستان کسی بھی صورت فہم و دانش اور تہذیب و ثقافت میں دنیا کی کسی بھی تہذیب سے پیچھے رہا ہے۔ بلکہ بہت سے علوم، فنون، اور تہذیب کے ابتدائی نقوش جب ہم کسی دیانت دار مورخ کے ذریعے کھوجتے ہیں تو ہندوستان پہلے نمبر پر ہی نظر آتا ہے۔ آج یونان کی علمیت اور فلسفیانہ دانش کا گرویدہ ایک عالم نظر آتا ہے تو اس کی بنیادی دلیل ہی یہ ہے کہ بقراط، سقراط، افلاطون، ہومر، لان جائے نس، ہمیں کسی نہ کسی کتاب کی صورت میں نظر آجاتا ہے۔

جب فلسفہ امور سلطنت، ادب، اور لکھنے والوں کے لیے حرف اول کی طرف جاتے ہیں تو یونان ہمیں "بوطیقا" کی صورت میں دلیل سامنے رکھ دیتا ہے۔ جبکہ عین اسی وقت ہند وستان میں کوشلیہ چانکیہ کی "ارتھ شاعر" موجود تھی۔ ارسطو اگر سکندر اعظم کی ریاست کو سنوار رہا تھا تو چانکیہ موریا سلطنت کو سنوار چکا تھا۔ لیکن آج جب ہم دونوں کتابوں کو جانچنے لگتے ہیں تو ہمیں یونان کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے۔ کیوں کہ اس میں کتاب کی حرمت کو ہزاروں سال کے فاصلے بھی نہ بدل سکے۔ وہاں کتابیں محفوظ رہیں۔ لیکن اس خطہ کے لوگ کتاب کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ وجوہات جو بھی ہوں۔ حوادث زمانہ جیسے بھی رہے ہوں ہم لوگ فہم اور دانش کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ اور نہ جانے فلسفہ، منطق فہم و فراست، دانش، علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کے قیمتی جواہر آج ہمیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے اگر کوئی جاں فشانی نے ان انمول جواہر کو پا بھی نے تو" مستند کلام" کی کسوٹی پر مشکوک رہ جاتے ہیں۔ اس خطہ کے مورخ اور مبلغ نے اکثر اوقات اپنی نرگسیت یا شاہی

پسند ناپسند کے پیش نظر ہمارا سارا ماضی مسخ کر دیا ہے۔ چاہے مذاہب، تہذیب، دانش اور ادب کی تاریخ ہو بہت ہی کم مواد ہمیں عالمی معیار پر پورا اترتا نظر آتی ہے۔
مجھے ہریانوی زبان و ادب کا مقدمہ پیش کرنے کے لیے کچھ ایسی ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شمالی ہند کی تمام زبانوں کو آپ جب دیکھتے ہیں تو ہریانوی زبان کا لہجہ ہر قدیم نمونہ معلوم میں نظر آتا ہے۔ ویدوں کا دور اٹھا کر دیکھ لیں یا. عہد قدیم میں ریاست کے تصور کی خشت اول پر نظر ڈالیں تو ہمیں اس زبان کا کوئی نہ کوئی لہجہ نظر آ جاتا ہے۔ قدیم ہندوستانی ادب میں "وکرم آدیتیہ" نام کا ایک بادشاہ ملتا ہے وہ. ایک افسانوی کردار سا لگتا ہے۔ عمومی طور پر اکثر کہانیوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ "بے تال پچیسی" اور سنگھاسن پچیسی" کی بہت سی کہانیاں ہمیں اس بادشاہ کے دور کا نام لے کر ملتی ہیں جب معلوم تاریخ سے اس کا دور تلاش کریں تو ستاون سے ایک سو دو سال قبل مسیح ہیں۔ اس نام کا بادشاہ ملتا ہے۔ لیکن جب اس دور تک پہنچا جائے تو یہ کردار مزید قدامت میں کھو جاتا ہے۔ "بیتال پچیسی" سے وابستہ ایک اور کہانی بھی ہے کہ راجا بکرماجیت اپنے کسی سفر پر تھا تو ایک درخت کے ساتھ ایک بھوت "بیتال" نام کا درخت سے الٹا لٹکا ہوا تھا۔ بادشاہ کو پچیس کہانیاں سناتا ہے۔ یہ کہانیاں ہزاروں سال تک سنائی جاتی رہی ہیں۔ ہر سنانے والے لیے اپنی مرضی کا بادشاہ جوڑا اور کہانی اپنا سفر طے کرتی رہی۔ 1803 میں مظہر علی ولا نے اسے بطور ترجم شائع کیا۔ اس سے پہلے سورت کبشیر کا نام آتا ہے۔ اس میں موجود ایک کہانی جو چھٹے نمبر پر ہے انگریز مصنف تھامس مان اپنے ناول کا مرکزی خیال بنا لیتا ہے۔ "دی ٹرانسپوزڈ ہیڈز" نام کا ناول اس کی دلیل ہے۔ انتظار حسین کا افسانہ "نر ناری" بھی کسی حد تک اسی کہانی کے آس پاس لگتا ہے۔ دو انسانوں کا سر آپس میں تبدیل ہو جاتا ہے اور یہ پوری کہانی سیکڑوں سال گزرنے کے باوجود ہر عہد کے مصنف کو متاثر کیئے جا

رہاہے۔ایسے ہی "بر ہت کتھا" کتھا منجری" کتھا سرت ساگر"کاہی مطالعہ کر لیا جائے تواچھاخاصاادب اس دور سے متاثر نظر آتا ہے۔

"معراج العاشقین "نشاط العشق۔جل ترنگ۔گل باس۔سب رس، کربل کتھا، نوطرز مرصع، باغ و بہار، شکنتلا، بارہ ماسہ، گل بکاولی، گلزار نسیم، مادھونل و کام کندلا۔اور نہ جانے کتنی تخلیقات ہیں جن کے ادوار اور مطالعہ سے واضح طور پر ہمیں ہریانوی زبان کی چاشنی ملتی ہے۔حافظ محمود شیرانی "پنجاب میں اردو" کا مقالہ پیش کرتے ہیں تو سارے دلائل ہریانوی زبان سے لیتے ہیں۔ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر مسعود حسین خان، ڈاکٹر محی الدین قادری زور۔اور جتنے بھی ماہر لسانیات کی تحقیق اٹھا کر دیکھیں تو کوئی ایک بھی تحقیق شمال ہند کی آریائی زبانوں ہریانوی کی وسعتوں سے فیض یاب ہوئے بغیر نظر نہیں آتا۔ جبکہ زمینی حقائق کے طور پر دیکھا جائے تو ہمیں کوئی ایک محقق اب تک دستیاب نہیں ہو سکا۔ یہ لسانیات کی ان پرتوں میں سے ہریانوی کی زبان کا مقدمہ مضبوطی سے پیش کر دے اور ہماری مشکل آسان کر دے۔قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے آنے والے لوگوں میں ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ لاکھوں کی تعداد میں آ کر بسے تھے۔انتظامی یاسیاسی بصیرت کے پیش نظر پر ہریانوی تہذیب و ثقافت سے وابستہ لوگوں کو ملک بھر میں آباد کر دیا گیا۔لوگوں میں تلاش معاش کے سلسلہ میں بھی ہجرت کا سلسلہ چلتا رہا۔اب ان مہاجرین کی چوتھی نسل نوجوان ہو چکی ہے۔اور وہ تمام فنون جن میں کبھی انہیں یکتائی حاصل تھی آج ڈھونڈنا مشکل ہو رہا ہے۔ادب کی تخلیق میں اب دوسری نسل منظر عام پر نظر آتی ہے۔پہلی نسل نے محافل اور جلسوں کی صورت میں اپنی تہذیب و ثقافت کو بچانے کی کوشش کی لیکن اشاعتی طور پر کوئی خاطر خواہ راضافہ نہ کر سکے۔راگنی سانگ کا بیش بہا خزانہ فن موسیقی کے شاہکار۔گلوکاروں فن کاروں کی پوری نسل کسمپرسی کا شکار ہو گئی۔اپنا صدیوں پر محیط فن سنبھال نہ سکی

صاحبان ثروت کی دلچسپی بھی نئے رخ متعین کر چکی تھی۔لاکھوں مہاجرین کی آنے والی. نسلیں اب بلاشبہ کروڑوں میں تبدیل ہو چکی ہے۔موجودہ نسل کو اب کنکر اور موئی الگ کرنا دشوار ہوتا جا رہا ہے۔موجودہ نسل میں معدودے چند لکھاری ملک بھر سے تلاش کئے گئے ہیں۔"نوہرہ" کے قیام کو تقریباً نو سال ہونے کو ہیں۔شاعری کے میدان میں آج ہمیں بہت عمدہ شاعر ملتے ہیں جو ہر صنف سخن میں اپنا لوہا منوا رہے ہیں۔رانا نوشاد قاصر اس قبیل کے سرخیل تھے۔حال ہی میں داغ مفارقت دے گئے ہیں۔نثر کے میدان میں ابھی مشکلات ہمارے سامنے ہیں۔لکھنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔آہستہ آہستہ لوگ جڑتے جا رہے ہیں۔پیش نظر کتاب تحقیق اور تنقید کے حوالہ سے ایک کوشش ہے۔اسے اردو میں شائع کیا جا رہا ہے تاکہ ہریانوی زبان وادب سے دیگر زبانیں بھی استفادہ کر سکیں۔

لسانیات کے شعبہ سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے بھی مضمون موجود ہیں۔ملک بھر کی جامعات میں تحقیقی مقالہ جات پیش کئے جا رہے ہیں۔ محققین کی ایک تعداد اردو اور ہریانوی کے لسانی رشتوں کی بحث کا نئے سرے سے آغاز کر رہی ہے۔مستقبل روشن نظر آرہا ہے۔سوشل میڈیا پر آج نو سال بعد ہریانوی زبان اپنے عروج کے سفر پر رواں دواں ہے۔ابتدائی تعلیم وتدریس کے پیش نظر کام کیا جا رہا ہے۔نثر نگاروں کی کمی کے باعث تحقیق کے مدراج طے کرنا دشوار کام ہے۔لیکن مطلوبہ مسائل اور وسائل کے لیے جہد مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں۔یہ کتاب ایک خوبصورت اضافہ ہے "آٹے مینھ دیوا" روشنی کے مزید چراغ روشن کرے گا

رانا تصویر احمد

تصویر محل، ملتان

نومبر 2024

اُردواور ہریانوی کے لسانی روابط: مساحتی ولسانی مطالعہ

ڈاکٹر عمران اختر

ہریانہ کی وجہ تسمیہ ہندو قوم کے خداوشنو کی مناسبت سے 'ہری رام' یعنی ہری سے منسوب ہے۔ ہری سنسکرت لفظ ہے جس کا مطلب 'سبز' ہے جبکہ اس کے تحقیق وابستہ افراد کا خیال ہے کہ 'ہریانہ' سنسکرت لفظ 'ہریت' یعنی سبزہ اور 'آریانہ' یعنی جنگل سے ماخوذ ہے لہٰذا اس پورے لفظ ہریانہ کا مطلب ہے کہ 'سبز جنگلات'۔ اس خطہ میں دو تہذیبوں سندھ اور ویدک کے آثار نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ رکھی کٹوی اس صوبے کا قدیم ترین علاقہ ہے جو کہ ضلع حصار کا ایک گاؤں ہے اس کی تاریخ پانچ ہزار سال پرانی ہے۔ جغرافیائی تناظر میں صوبہ ہریانہ کے شرق میں نیو دہلی 'اتر پردیش' اترانچل' مغرب میں راجستھان کا صحرائی خطہ 'چندی گڑھ اور پنجاب' شمال میں ہماچل پردیش جبکہ جنوب میں ہریانہ آباد ہے۔ جغرافیائی اور لسانی نقطہ خیال میں یہ علاقہ دو بنیادی خطوں پر مشتمل ہے جس میں سے ایک بانگر اور دوسرا ہریانہ ہے۔ بانگر میں بانگری زبان بولی جاتی ہے جس کو گریرسن نے بانگڑو بھی کہا ہے (1) جبکہ ہریانہ میں ہریانی زبان بولی جاتی ہے چونکہ اس زبان کو زیادہ تر جاٹ برادری یا قوم زیادہ بولتی ہے لہٰذا اسی نسبت سے اس کو 'جاٹو' کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ بعد ازاں اس خطہ کو ہریانہ کھادر اور ہریانہ بانگر بھی کہا جانے لگا۔ پڑھے لکھے افراد اس خطہ کی زبان کو ہریانوی جبکہ ان پڑھ اور مقامی افراد اس کو "دیسوالی" اور کہیں کہیں "دیساری" کے مقامی ناموں سے بھی پکارتے ہیں۔ ہریانوی اور اُردو کے باہمی تعلق کے بارے میں سید محی الدین قادری زور لکھتے ہیں کہ :

"یہاں ایک اور بات مد نظر رکھنی چاہیے
کہ اُردو پر بانگر دیاہریانوی کا قابل لحاظ اثر
ہے"۔(1)

اس خطہ ہریانہ کی لسانی تشکیل میں مغربی ہندی کی بولیوں بُرج، قنوجی، بندیلی اور کھڑی بولی سمیت سنسکرت زبان کا بھی عنصر نظر آتا ہے۔ ہریانوی یا بانگڑی زبان کا ذخیرہ الفاظ اپنی مقامی بولیوں، ذیلی بولیوں، تحتی بولیوں اور مغرب کی بے شمار چھوٹی چھوٹی زبانوں کی آمیزش سے تشکیل پاتا ہے۔ڈاکٹر شوکت سبز واری اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"اُردو، برج، ہریانی، قنوجی، بندیلی کا
مشترک لسانی سرمایہ مغربی ہندی
ہے"۔(2)

تاریخی وجغرافیائی تناظرات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تولسانی آبیاری کے اس عمل میں مغربی ہندی نے ہریانوی کے نہ صرف صرفی و نحوی پہلوؤں کو متاثر کیا بلکہ اس خطہ کی تہذیب وثقافت کا بھی اس میں خاص عمل دخل نظر آتا ہے۔☆(3)ہریانوی زبان بولنے والوں کے اس خطہ میں ہریانوی تہذیب کی بھرپور عکاسی بھی یہاں کے میلوں، تہواروں، شادی بیاہ کی رسموں اور محافل میں خاص طور پر دیکھنے میں آتی ہے۔ اس خطہ میں ہریانوی رقص گگا، پھاگ، جھومر، دھمال، دھومر، چٹی، کھوریا سمیت مقدس ناچ گنگورے پوجا اور سوانگ بھی بے حد مقبول ہیں۔ راس لی لا اور لور خاص ہریانوی رقص ہیں جو یہاں کی ہریانوی زبان بولنے والی خواتین میں بہت پسند کیے جاتے ہیں۔ توڑے، گلوبند، گلسری، کنٹھ مالا، چمپا کلی، آرسی، کنگن، بازو وبند، پلیچھی، چھن، ہتھ پھول، رم جھول، سُوت، پازیب، جھاتوری، چمک چوڑی وغیرہ سے بخوبی ہوتا ہے جو

یہاں کی ہریانوی زبان بولنے والی خواتین خصوصیت کے ساتھ تہواروں اور شادی بیاہوں میں زیب تن کرتی ہیں۔ ہریانوی ثقافت میں ہریانوی قوم کے چھتیس شاہی خاندانوں اور تقریباً ساڑھے پانچ ہزار گوتوں (قبائل) کا ذکر ملتا ہے۔اس قوم کے افراد نے افغانستان سے لیکرراس کماری تک ایک طویل عرصے تک حکمرانی کی۔زمانہ قدیم میں ہریانویاافراد کھشتری کے لقب سے مشہور تھے۔ہندوستان کی پوری تاریخ راجپوتوں کے اذکار سے بھری پڑی ہے اور ان میں زیادہ تر کا تعلق ہریانوی زبان بولنے والوں میں سے تھا۔ یہ قوم تاج و تخت کے شاہی قوانین سے مکمل آگاہ تھی اور فن سپاہ گری، تلوار زنی اور شمشیر زنی میں ان کا ثانی ملنا مشکل تھا۔اس قوم میں جہاں ہریانوی رسم و رواج کا امتزاج نظر آتا ہے وہیں ان میں تہذیبی زندگی کے آثار بھی نمایاں ہیں۔ ہریانوی گوتوں میں شادی بیاہ و مرگ کی رسوم دیگر قبائل سے یکسر مختلف ہیں۔ان کے ہاں رسوم و رواج گویا جدید و قدیم کا سنگم ہے جبکہ بسا اوقات دو تہذیبوں میں ٹکراؤ کی صورتحال بھی بخوبی دیکھی جاسکتی ہے۔ ہریانہ کی قدیم رسومات میں سے ایک 'سوئمبر' کی رسم ہے جس میں راج کمار راج کماری سے بیاہ رچانے کے لیے اپنی ہی قوت کے دیگر افراد سے تلوار زنی و دیگر مقابلوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور اصلاً یہ رسم تھی جس میں راج کمار کو ایک بھاری چٹانی پتھر اٹھا کر باقی افراد کے سامنے اپنی طاقت کا اظہار کرنا ہوتا تھا۔ سیتا اور رام اس رسم کے بنیادی کردار تھے۔اسی طرح پھول مالا کی رسم بھی 'سوئمبر' کی طرح اب اس قوم میں قریباً ناپید ہی ہو گئی ہے۔اس کے علاوہ رشتہ کی تلاش کا کام ہریانوی معاشرے میں نائی کے سپرد ہوتا ہے۔شادی بیاہ کی رسومات رشتہ کی تلاش سے شروع ہو جاتی ہیں اور منگنی کی رسم لڑکے اور لڑکی دونوں جانب سے باقاعدہ ادا کی جاتی ہے۔ بعد ازاں چٹھی لکھنا جو کہ لڑکی والوں سے مخصوص رسم ہے کے بعد چٹھی کھلنا جو لڑکے والوں کے ہاں کھلتی ہے اس کے بعد مائیوں بیٹھنا، بان یعنی اُبٹن لگانا، ڈھولک وار پھیر، پٹڑا اتارنا،

مہندی، بھات، سہرا چوٹی، سہرا بندی، گھڑ چڑھی، جنیت یعنی بارات، سہہ بالا، سمدھ ملادا، میل، نکاح بدکی تقسیم، بری اور بریوا، وداع یار خصتی (اس کو بداعی کے مخصوص نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے) بارات کی رخصتی، بارات کی گھر واپسی، بارر کائی، دلہن کا استقبال، منہ دکھائی، ولیمہ، مکلاوہ، مانڈھا جھکاؤ جیسی بے شمار رسومات قابل ذکر ہیں۔

مغربی مفکرین یا غیر ملکی سیاحوں کے نزدیک راجپوت بیرونی حملہ آوروں کی اولاد "ہونوں" سے تعلق رکھتے ہیں۔ راجپوتوں کو دو بڑے گروہوں ملکی اور غیر ملکی میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان راجپوتوں کو مزید گوتوں چوہان، چالوکیہ، گوجر میں تقسیم کیا جاتا ہے جو غیر ملکی راجپوت گروہ کہلاتے ہیں جبکہ ملکی راجپوت گروہ مُں راشٹر کوت دکن کے، راٹھور راجپوتانہ کے جبکہ چنڈیل اور بندیلے پلکھنڈے کے بہت زیادہ مشہور ہیں۔ غیر ملکی راجپوتوں نے ہندومت قبول کیا اور متحدہ ہندوستان میں اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں۔ یہ تمام راجپوت آریہ نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اس نسل نے ویدک دھرم اور بدھ مت کی تین ہزار سالہ تاریخ میں اپنی تہذیبی و تمدنی زندگی کی ارتقائی منازل طے کیں اور ساتویں صدی عیسوی میں بدھ ازم اور برہمنیت کی طویل ذہنی و جنگی مساعی کی بدولت اور کشمکش کے نتیجے میں ہندو تہذیب روبہ زوال ہوئی تو یہ کھشتری یا فوجی باغیوں کے روپ میں پورے ہندوستان میں پھیل گئے اور انہوں نے اپنی طاقت جو ان مردی اور شجاعت کے بل بوتے پر اپنی الگ الگ ریاستیں اور چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لیں۔ خود کو راجپوت یعنی حاکم کا بیٹا کہلوانے لگے اور انہوں نے اپنی اپنی ریاستوں میں قوانین مرتب کیے۔ بعدازاں جب دین محمدیؐ کی واحدانیت کا پرچار اس خطہ میں ہوا تو یہ راجپوت بھی مشرف بہ اسلام ہوئے اور ایک ہی بنیادی نسل میں متحد ہو گئے۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت اجمیر شریف میں چوہان، قنوج میں راٹھور، دہلی میں تنور، بنگالہ میں سین، گجرات میں مراٹھے، جوڑا، چالوکیہ، بگھیلا، لاہور میں بندیلے جبکہ دکن میں امراؤئی پر

اندھیرا، میسور پر ہوئے سالہ، کانجی ورم پر چلو کیہ اور دیو گری خاندان بر سر اقدار تھے اور یہ سب کے سب راجپوت کہلواتے تھے۔اس ضمن میں یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"راجپوتوں کی تشکیل چھٹی اور دسویں
صدی عیسوی کے درمیان ہوئی۔ پانچویں
صدی کے وسط میں سفید "ہونوں" نے
گپتا سلطنت کو تہ و بالا کر دیا۔ آٹھویں
صدی تک ان کی آمد جاری رہی۔ شمالی ہند
کا سیاسی نظام تتر بتر ہو کر رہ گیا۔ ان
لوگوں کے جتھے ملک کے دور افتادہ
حصوں مثلاً آسام اور اڑیسہ تک جا کر آباد
ہو گئے جگہ جگہ ان کی چھوٹی چھوٹی
ریاستیں قائم ہو گئیں اور کھشتریوں کے
ساتھ ان کے ازدواجی تعلقات قائم ہو
گئے۔ یہ سب ریاستں ایک دوسرے پر
برتری حاصل کرنے کی خواہاں تھیں
چنانچہ باہمی عداوت کے باعث کوئی متحدہ
مرکزی حکومت قائم نہ ہو سکی"۔(4)

بھارت کا پورا صوبہ ہریانہ جس کو Battle Field of India کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہاں زبانوں کے اختلاط کا ہونا لازمی امر ہے اور اس کثیر اللسانی خطہ میں موجودہ زمانہ میں بھی راجستھان کو خود مختار ریاستوں امور جوت پور، ضلع کانگڑہ سمیت دہلی کے چاروں طرف 150 میل تک تقریباً 50 راجواڑوں کی آج بھی مادری زبان

ہریانی یاہریانوی ہے۔ تقسیم پنجاب سے قبل مشرقی پنجاب کی کمشنری انبالہ کی مادری زبان بھی ہریانوی ہی تھی اور چولستان جنوبی پنجاب میں روہیلے قوم پوری کی پوری ہریانوی زبان بولنے والی تھی۔ کنور نثار احمد اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ :

"ہریانی پنجاب کی سب سے بڑی علاقائی
زبان ہے۔ پاکستان میں ہریانوی زبان
بولنے والے چار پانچ کروڑ افراد ہیں جو
پورے پاکستان کے طول و عرض میں
منتشر ہو کر آباد ہیں۔۔۔۔۔ پنجاب کی
تین علاقائی زبانیں ہریانی، پنجابی اور
سرائیکی ہیں۔اُردو اور ہریانوی زبان لازم
وملزوم ہیں۔ ہریانوی زبان کو اُردو کی ماں
کہیں تو بے جانہ ہوگا"۔(5)

ہریانوی ادبی سرمایہ زمانہ کی شکست وریخت کی نذر ہو گیا ہے مگر اس کے باوجود اس زبان کے لکھنے والے چونکہ زیادہ تر راجپوت قوم سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا جہاں جہاں ہمیں راجپوت تاریخ ملتی ہے وہیں ہریانو یا ور راجپوتی زبان کے ادبی قدیم متون بھی سامنے آتے ہیں۔اس زبان میں نہ صرف علمی وادبی سرمایہ بلکہ نقاشی، مصوری اور ہریانوی فنون لطیفہ کی بھی ایک کثیر تعداد ہمارے سامنے آتی ہے مثلاً:

"راجپوتوں کی نقاشی اور مصوری (امبر،
جے پور، بندیلہ، میواڑ، مالوہ بشمول کانگڑہ
اور گڈھول کے دبستان) اپنے رومانی
ماحول اور دلفریب خطوط کی وجہ سے مشہو

رہیں۔ راجپوت ادب جو ہندی،
راجستھانی ، پہاڑی اور پنجابی میں موجود
ہے مختلف انواع کی رزمیہ نظمیوں،
صوفیانہ غزلوں اور عاشقانہ گیتوں پر
مشتمل ہے۔ جن کا ممتاز ترین موضوع
رادھا اور کرشن کی اساطیری کہانی
ہے"۔(6)

زبان تحتی بولی یا ذیلی بولیوں کی مسلمہ جغرافیائی حدود و قیود اور لسانی ہمواری ویکسانیت کسی طور پر ممکن نہیں ہے کیونکہ زبان ایک خودرو پودے کی مانند مناسب لسانی آب و ہوا کے باعث اپنا لہجہ تبدیل کر سکتی ہے۔ کسی بھی لسانی گروہ میں مناہج فکر، نفسی کیفیات اور طبیعت و مزاج میں یکسانیت تو شاید ممکن ہو مگر اس گروہ کی صوتی کیفیات یکساں ہونا محال ہے۔ جس طرح مرد اور عورت کے وتران صوت ایک دوسرے سے طبعی طور پر جدا اور الگ ہوتے ہیں بالکل اسی طرح ان کی تکلمی آوازوں، حدود ارتفاع اور معیاری انحراف میں خاصا فرق ہوتا ہے۔ان کے لب و لہجہ اور کیفیت آواز میں اختلاف کے باعث تمیز کرنا بالکل آسان ہو جاتا ہے۔ تاہم علاقائی اثر، نفسی کیفیت اور خاندانی و لسانی مناہج کا اثر لہجہ پر ضرور پڑتا ہے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں بات کرتے ہوئے کوئی بھی شخص غیر شعوری طور پر قواعد کی پابندی اور صوتی و لسانی انداز میں یکسانیت کا خیال رکھتا ہے۔ تاہم کسی علاقے میں تھوڑے سے لسانی انحراف، فقروں کی دروبست اور محلِ استعمال کو دیکھ کر یہ قطعاً نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مختلف لہجے میں یا یہاں کے لوگ کسی قسم کی تحتی یا ذیلی بولیاں بول رہے ہیں۔ انحرافات کو نظر انداز کر کے صوتی عادات اور لسانی

تجرید کو دیکھنے کے بعد ہی کسی زبان یا اس کے لہجے میں تبدیلی کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں لسانی محقق خلیل صدیقی لکھتے ہیں کہ :

"ہر زبان کے مسلمہ علاقے میں تلفظ گرامر اور کلموں کے انحرافات کی دو سطحیں ہوتی ہیں۔ ایک علاقائی اور دوسری سماجی یا طبقاتی۔ جن کی شناخت کے لیے بولی Dialect کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک لسانی جغرافیہ نا قابل تقسیم لسانی اکائی نہیں بلکہ بہت سی بولیوں کی آماجگاہ ہوتا ہے اور یہ بولیاں اپنی اپنی شناخت کے باوجود اس مجموعی لسانی شناخت کا حصہ ہوتی ہیں جسے ایک مخصوص زبان سے موسوم کیا جاتا ہے"۔(7)

اس لیے ان زبانوں کے نام علاقے کی نسبت سے ہی مروج ہو جاتے ہیں مثلاً ہریانہ کی نسبت سے ہریانوی، ملتان سے ملتانی، سندھ سے سندھی، بلوچستان سے بلوچی، ہندوستان سے ہندی، پنجاب سے پنجابی، گجرات سے گجراتی، میوات سے میواتی، ریواڑ سے ریواڑی،۔ روہتک سے روہتکی وغیرہ۔ چند تحتی بولیاں ایسی بھی ہیں جن کے نام قبائل کی نسبت سے مشہور و مروج ہو جاتے ہین جیسے مرہٹوں سے مرہٹی، دراوڑ سے دراوڑی، راجپوت سے راجپوتی، آریا سے آریائی وغیرہ۔اس کی بنیادی وجہ خطہ کی برتری اور قبائل کا ذاتی اثر ورسوخ بتایا جاتا ہے تاہم اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ علاقے کی نسبت

زبان یا بولی کا جو نام مروج ہے وہ کوئی نئی زبان یا ذیلی تخنتی بولی ہی ہو۔ تاہم اس کی لسانی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خان کی رائے میں :

"اُردو اپنی ابتداء اور ارتقاء کے دور ان
دہلی اور نواح دہلی کی تین بولیوں سے
خاص طور پر متاثر ہوئی ہے جن کے نام
ہیں۔ ہریانی، کھڑی بولی اور برج بھاشا ان
کے علاوہ راجستھانی کی ایک بولی سرائیکی
نے بھی ابتدائی عہد میں اُردو کو متاثر کیا
ہے لسانی اعتبار سے دہلی کا محل وقوع کچھ
اس طور پر ہے کہ چاروں بولیاں یہاں
آکر مل جاتی ہیں۔ گویا دہلی ان بولیوں کا
سنگم ہے"۔(8)

ذیل میں ہم جن علاقائی لہجوں روہتکی، رانگھڑی، میواتی، ریواڑی کے مابین اشتراک و انجذاب کا جائزہ لے رہے ہیں ان سب کا ماخذ ہریانوی زبان ہی قرار پاتی ہے۔ لسانی انحرافات اور علاقائی نسبت کے باعث مذکورہ لہجوں میں معمولی فرق دیکھنے میں آتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہریانہ میں بسنے والے افراد جب ہجرت یا ترک سکونت کے باعث ہندوستان کے دیگر خطوں یا علاقوں میں جا کر آباد ہوئے تو اپنی جنم بھومی پر تفاخر یا علاقے کی نسبت سے ہریانوی کہلائے جبکہ ہریانوی کے لیے ہریانہ میں بھی ہریانی لفظ ہی مروج ہے۔ ہریانوی زبان بولنے والے یہ قبائل جب میوات گئے تو میواتی کہلائے اور رہتک گئے تو روہتکی۔ الغرض زبان کا سفر مسلسل ارتقاء پذیر ہے۔ ان مقامی بولیوں میں فرق و امتیاز کو تو باآسانی محسوس کیا جا سکتا ہے مگر زبان یا بولی میں ہونے والے لسانی تغیرات کا

پتہ لگانا اتنا آسان نہیں ہے۔ ہر شخص یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے آباء کی زبان بول رہا ہے جبکہ زبانی و مکانی انحرافات سمیت معانی و مفاہیم کا ادراک اس کے ذہن میں نہیں ہوتا۔ زبان یا بولی میں ذخیرہ الفاظ وقت کی ضرورت کی سبب سے مستقل بڑھتا رہتا ہے۔ زبان چونکہ اکتسابی روایت کی امین ہے لہٰذا اس میں تبدیلی کے امکان اور غرض و غایت کا ہونا بھی لازمی امر ہے۔ زبان یا بولی کے وہ اجزا جو سماج یا ثقافتی اظہار کے قابل نہیں ہوتے بہت جلد ان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ تاہم علمی، ادبی شعوری اور ارادی تشکیل لسانی سرمائے سمیت ذخیرہ الفاظ کے بڑھنے میں بھی ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ زبان یا بولی مسلسل بالیدگی، ارتقاء اور تغیر پذیری کا شکار ہے۔ ان تغیرات کی بے شمار نوعتیں ہو سکتی ہیں جو صوتی، صرفی، معنوی سمیت ثقافتی بھی ہو سکتی ہیں اور تکلمی بھی۔ حرفی، نحوی اور معنویاتی تغیرات کی نسبت صوتی انحرافات زیادہ آسانی سے سامنے آجاتے ہیں۔ اسی سبب سے ہم بولی میں علاقائی نسبت کے ادغام کے باعث اسے ایک نیا لہجہ یا بولی قرار دے دیتے ہیں حالانکہ زبان کے بارے میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ رقمطراز ہیں کہ:

"اُردو کی جائے پیدائش دہلی اور نواح دہلی تسلیم کر لینے کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ ہم قدیم اُردو کا رشتہ پنجابی سے استوار کریں۔ زبانیں اور بولیاں ہمیشہ اپنے قرب و جوار کی زبانوں اور بولیوں ہی سے متاثر ہوتی ہیں۔ ایسی صورتحال میں اُردو کا ہریانی (جو دہلی اور دہلی کے شمال مغربی علاقے کی

بولی تھی) سے متاثر ہونا ایک لازمی امر
تھا"۔(9)

ہریانوی باقاعدہ ایک زبان ہے جو فرہنگ، ضرب المثل، محاورات ذخیرہ الفاظ، ادب، صرفی و نحوی قواعد، صوتی علامات و نظام اور معنوی قوانین رکھتی ہے جبکہ اس کے دیگر علاقائی لہجے رہتکی، رانگڑی، میواتی، راجپوتی اور ریواڑی سمیت دیگر لہجوں کا نہ تو صوتی و صرفی نظام ہے اور نہ ہی کوئی باقاعدہ رسم الخط یا حروف تہجی۔

"رہتک" صوبہ ہریانہ کی چار ڈویژن میں سے ایک ہے جس میں 5 اضلاع روہتک پانی پت 'سونی پت' جھجر اور کرنال آتے ہیں۔ ہریانہ صوبائی دارالحکومت ہے لہٰذا صوبے کی مرکزی زبان ہریانوی ہی قرار پاتی ہے حالانکہ عہد بہ عہد بولی جانیوالی زبان کا اثر ورسوخ اس پورے خطے میں بہت زیادہ ہے لہٰذا یہاں کے ہریانوی بولنے والے افراد جب رہتک جا کر آباد ہوئے تو ہریانوی زبان میں روہتک کا مقامی رنگ بھی شامل ہو گیا اس لیے یہ لہجہ علاقائی نسبت سے "روہتکی" کہلاتا ہے جبکہ اس لہجے میں لسانی اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے اور روہتکی لہجہ سارا کا سارا ہریانی لب ولہجہ اور صوتی و صرفی قواعد پر مشتمل ہے۔

اسی طرح کا معاملہ ریواڑی لہجے کے بارے میں بھی ہے۔ ریواڑی، صوبہ ہریانہ کے 21 اضلاع میں سے ایک ہے جو گڑگاؤں ڈویژن کے 5 اضلاع میں سے ایک ہے۔ یہاں کی اکثریت راجپوت اور جاٹوں پر مشتمل ہے اور صوبائی دارالحکومت کا ہریانوی رنگ یہاں کی تہذیب و ثقافت سمیت یہاں کے ریواڑی لہجہ میں باآسانی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ہریانوی زبان بولنے والے جب ہریانہ سے ہجرت یا ترکہ سکونت کے باعث 'ریواڑی' میں آکر آباد ہوئے تو یہاں کے مقامی علاقے کی نسبت سے ان کی زبان

بھی ریواڑی کہلائی جبکہ اس لہجے کا بھی صرفی، نحوی اور معنوی سرمایہ ہریانوی زبان سے ماخوذ ہے۔

جہاں تک سوال "میواتی" لہجے کا ہے تو اس کا معاملہ بھی روہتکی یا ریواڑی سے جدا نہیں ہے۔ میوات مسلم اکثریتی ضلع ہے جس میں 87٪ مسلمان آباد ہیں۔ یہ ضلع بھی صوبہ ہریانہ کی ڈویژن گڑگاؤں میں آتا ہے۔ صوبائی دارالحکومت کے ہریانوی زبان بولنے والے افراد جب ہجرت کر کے میوات آئے تو یہاں کے مقامی رنگ کی وجہ سے یہاں کی ہریانوی زبان میواتی لہجے میں بولی جانے لگی لہٰذا میواتی کہلائی۔

اب رہ گیا سوال رانگھڑی اور راجپوتی لہجوں کا تو اس باب میں نہ تو لسانی محققین کے ہاں اور نہ کسی اور ذریعے سے ان لہجوں کو علیحدہ اور جداگانہ اہمیت واضح ہو سکی ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ رانگھڑی اور راجپوتی الگ سے کوئی لہجے یا بولیاں ہیں ہی نہیں۔ رانگھڑ اور راجپوت متحدہ ہندوستان کی 2 بڑی قومیں ہیں اور ان کے ذاتی اثر و رسوخ، دبدبہ، قومی تشخص اور قومی جاہ و جلال کے باعث یہ لہجے عرف عام میں مشہور ہو گئے جبکہ یہ دونوں قومیں دراصل ہریانوی اور بانگڑو زبان بولتی تھیں اور آج کے دور میں بھی ان کی زبان ہریانہ کے انہی دو لہجوں کو اپنی روزمرہ بول چال اور مجلسی زندگی میں استعمال میں لاتی ہے۔

جہاں تک سوال ان لہجوں کے مابین اشتراک وانجذاب کا ہے تو چونکہ ہریانوی زبان بولنے والے قبائل اور ہریانہ میں سکونت پذیر کئی نسلیں صدیوں سے ترک سکونت اور ہجرت کے عمل سے مسلسل گذر رہی ہیں لہٰذا جہاں جہاں یہ قبائل جاتے ہیں وہاں وہاں یہ اپنی ثقافتی و تہذیبی اقدار اور زبان بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔ یہ افراد خود کو وہاں کے مقامی لوگوں سے منفرد اور جدا کرنے کے لیے اپنی زبان انہی کے مقامی یا علاقائی حیثیت میں بولنا شروع کر دیتے ہیں اور یوں انجذاب کی ایسی صورتحال سامنے آتی ہے کہ

معمولی معمولی سے فرق و امتیاز کے ساتھ آج کے دور تک آتے آتے یہ تمام لہجے اس حد تک آپس میں مدغم ہو گئے ہیں کہ کسی بھی لہجے کی الگ سے شناخت نہیں کی جاسکتی۔ تاہم ہریانوی زبان کی واضح چھاپ ان لہجوں میں آسانی سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ ان لہجوں کے مابین اشتراک و انجذاب کی یہ ساری صورتحال اس بات کی متقاضی ہے کہ ان لہجوں کو بولی اور زبان کے فرق و امتیازات کو سامنے رکھتے ہوئے پرکھا جائے تاکہ لسانی اور لسانیاتی پہلوؤں سمیت ان لہجوں کی از سر نو بازیافت کے عمل سے واقفیت حاصل ہو سکے۔

اب رہا سوال ہریانوی کے موجودہ رسم الخط کے مابین اشتراک و امتیاز کا تو اس ضمن میں یہ بات انتہائی اہمیت رکھتی ہے کہ اس زبان کی جائے پیدائش چونکہ ہریانہ ہے اس لیے پورے بھارت میں ہریانوی زبان دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے جبکہ اس کا تعلق انڈو آرین زبانوں کے گروہ سے بھی ہے۔ پاکستان بھر میں خطہ ملتان سمیت یہ زبان عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے جبکہ اس کے حروف تہجی اُردو سے زیادہ ہونے کی وجہ سے ہریانوی زبان کا ادبی سرمایہ عربی یا فارسی رسم الخط میں ہی موجود ہے۔۔ رسم الخط سے کسی کی زبان کی لسانی ہیئت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس ضمن میں عامر سہیل لکھتے ہیں کہ:

"اُردو عالمی زبانوں کی فہرست میں ایک نمایان مقام رکھتی ہے اور عالمی سطح پر اس کے دو رسم الخط رائج ہیں۔ 1۔ عربی و فارسی رسم الخط 2۔ دیوناگری رسم الخط۔ پنجابی زبان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے کہ پاکستان میں اس کے لیے وہی رسم الخط

مستعمل ہے جس میں اُردو لکھی جا رہی
ہے(یعنی نستعلیق) جبکہ بھارت میں یہی
پنجابی گورمکھی رسم الخط میں لکھی جارہی
ہے۔یعنی ایک زبان ایک ہی عہد مین دو
بالکل مختلف رسوم الخط میں لکھی، پڑھی
اور سمجھی جارہی ہےاوراس ضمن میں نہ تو
کوئی الجھن پیدا ہو رہی ہے اور نہ
پریشانی"۔(10)

الغرض ایک ہی عہد مین ایک زبان کے دو بالکل منفرد اور جدا رسم الخط میں لکھے جانے سے کسی قسم کا لسانی انحطاط و قوع پذیر نہیں ہوتااور اپنی اپنی سرزمین پر یہ زبان بغیر کسی لسانی کمزوری کے پڑھی اور سمجھی جارہی ہے نیز ہریانوی زبان کے لسانی سرمایہ، ذخیرہ الفاظ، ضرب المثل و محاورات، صوری، صرفی و نحوی قاعدے اور معنوی قدر و منزلت پر بھی رسم الخط کی تفریق سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سندھی، سرائیکی، ہریانوی، پوٹھوہاریاور راجستھانی کے مصادر کا مطالعہ کرنے سے ایسا لگتاہے کہ یہ زبانیں کسی ایک ہی زبان کے مختلف رنگ ہوں کیونکہ ان کے مصادر اور معروض کے تناظر میں پیش کیا جاتاہے۔

1۔ لسانی سروے کے دوران اس بات کا بھی ادراک ہوا کہ نمایاں زبانوں میں سے وہ افراد جن کی مادری زبان پنجابی، سرائیکی، ملتانی یا ہریانوی ہے وہ اپنی آنے والی نسل میں اپنی مادری زبان کی بجائے اُردو کے فروغ اور اس کو بطور پہلی زبان کے سیکھنے پر اصرار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ اُردو کا ہماری قومی زبان ہونا ہے۔ مذکورہ لسانی سروے کے دوران چند ایک تحقیقی

نوعیت کے سوالات بھی اٹھائے گئے تھے جن کے جوابات کچھ اس صورت کی میں سامنے آئے۔

2۔ نمایاں زبانوں پنجابی، ملتانی/ سرائیکی یا ہریانوی پر سب سے زیادہ اثرات سندھی اور فارسی زبان کے دیکھنے میں آئے۔

3۔ مذکورہ نمایاں زبانوں کے لسانی سرمایہ میں شامل الفاظ کی کثیر تعداد مشترک الفاظ و محاورات پر مشتمل ہے۔

4۔ مذکورہ نمایاں زبان بولنے والے افراد میں وہ طبقہ جو کم پڑھا لکھا ہے یا ان پڑھ ہے اس نے کسی بھی قریبی یا ہمسایہ زبان کا بہت کم اثر قبول کیا ہے جبکہ پڑھے لکھے افراد میں اس کی شرح زیادہ نظر آتی ہے۔

5۔ مردوں کے مقابلے میں اندرون خانہ رہنے والی عورتوں کے ہاں اپنی مادری یا پہلی زبان کے صاف جبکہ وہ خواتین جو باہر روزگار یا کسی دوسری وجہ مثلاً ترک سکونت کے باعث باہر نکلتی ہیں ان کی زبان میں کسی بھی دوسری زبان کے الفاظ کی آمیزش کے زیادہ امکانات نظر آئے۔

6۔ مرد حضرات اپنی مجلسی زندگی میں بول چال کے لیے زیادہ تر اُردو کی بجائے ملتانی/سرائیکی یا پنجابی بولنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

7۔ لسانی سروے کے دوران یہ بات بھی دیکھنے میں آئی کہ صحافتی ادارے چونکہ اس خطہ سے صرف اُردو زبان میں اپنی اشاعت پر زیادہ توجہ دیتے ہیں لہٰذا اخبارات، رسائل، ٹی وی اور انٹرنیٹ پر بھی دیگر علاقائی زبانوں کے مقابلے میں اُردو زبان کا سرمایہ الفاظ زیادہ نظر آتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دیگر نمایاں زبانوں بشمول سرائیکی/ملانی، پنجابی اور ہریانوی کے لیے باقاعدہ طور پر

ایسا فورم نہیں ہے جس کے باعث ان علاقائی زبانوں کو پھلنے پھولنے کا موقع میسر آسکے۔

8۔ لسانی سروے کے دوران یہ بات بھی دیکھنے میں آئی کہ نمایاں زبانوں کے بولنے والے افراد کی اکثریت سرکاری زبان کے طور پر "اُردو" کے نفاذ کے لیے مطمئن نظر آتی ہیں۔

9۔ نمایاں زبانوں پر غالب اثرات اُردو کے ہیں جبکہ دیگر چھوٹی چھوٹی علاقائی زبانیں میواتی، رانگڑی، راجپوتی وغیرہ کے بولنے والے افراد اندرون خانہ اپنی ہی مادری زبان کے بولنے پر اصرار کرتے ہیں۔

10۔ ذریعہ تعلیم انگریزی یا اُردو ہونے کی بابت سوال کے جواب کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ سروے میں حصہ لینے والے بیشتر افراد کی رائے یہ تھی کہ ذریعہ تعلیم قومی زبان اُردو کو ہی ہونا چاہیے۔

11۔ سروے کے دوران یہ بات بھی دیکھے میں آئی کہ نمایاں زبانوں بشمول، پنجابی، ہریانوی، اور سرائیکی/ ملتانی بولنے والے افراد اور لسانی اکائیوں کے مظہر خاندانوں کے پاس لسانی حوالے سے کوئی نمایاں دستاویزی ثبوت یا اپنی قدیم بولی کے بارے میں کوئی ادبی سرمایہ محفوظ نہیں ہے۔

12۔ مذکورہ زبانوں کے بولنے والے افراد اور خصوصاً لسانی اکائیوں کے مظہر خاندانوں کے عمر رسیدہ افراد چونکہ غیر تعلیم یافتہ ہیں لہٰذا ان کے پاس شعوری طور پر لسانی اہمیت کے باب میں کہنے کے لئے کچھ خاص نہیں ہے۔

13۔ مذکورہ زبانوں کی ادبی قدر و منزلت کے باب میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ ہر زبان بولنے والے افراد اپنی زبان کو احساس تفاخر کے باعث اولیت

دیتے ہیں۔ مگران کے پاس قدیم لہجے کی بازیافت کے حوالے سے کوئی تحقیقی ثبوت یا جواز نہیں ہے۔

14۔ لسانی سروے کے دوران اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد نے اس تقریباً یکساں ہیں:
اُردو، ہریانوی، ملتانی، پنجابی اور میواتی زبان کے فقرات کا لسانی جائزہ سرائیکی اور ہریانوی کے مصادر بھی بہت حد تک آپس میں مماثلت

اُردو	ہریانوی	ملتانی	پنجابی
یہ بوڑھا نہیں ہے	یوہ بڑھا کونیاں	اے بڑھا کینی	اے بڑھا نئیں اکبر
اکبر کو کسی نے مارا	اکبر تے کس نے ماریا	اکبر کوں کہیں مارے	نوں کنے ماریا
ہم وہاں گئے تھے	ہم ات گئے تھے	اساں اتھاں گئے ہاسے	اسی اوتھے گئے سی
یہ کس کا دروازہ ہے	یوہ کس کا بارنا سے	اے کیں دا بوہا ہے	اے کدا بوہا وا
آپ کو کس نے پڑھایا؟	تھم کسنے پڑھائے	تہا کوں کیں پڑھائے	تہانوں کنے پڑھایا اے
یہ بوڑھا وہاں سے یہاں آیا ہے	یوہ بُوڈھا اُت سے اُرے آیا سے	اے بڑھا اتھوں اِتھاں آئے	اے بڑھا اوتھوں ایتھے آیا
پانی کون پلائے گا	پانی کون پیاوے گا؟	پانی کون پلیسی؟	پانی کنے پیاوناں

آہستہ آہستہ چل وہ	اَ لگے اَ لگے چال واہ	ہولے ہولے ٹُر او	ہولی ہولی ٹُرادکدی	
کس کا انتظار کر رہا ہے	کس کی باٹ میں	کیندی تانگ اِچ	راہ دیکھدا اے	
		سَے		

سرائیکی مصادر	ہریانوی مصادر
لکھن	لکھن
بولن	بولن
ڈیکھن	دیکھن
ڈُکھن	دُکھن
بھجن	بھاجن

رکھتے ہیں۔اس باب میں مندرجہ ذیل مثالوں پر غور کریں:

یہ صرف سرائیکی ہریانوی سندھی پنجابی میں یکساں استعمال ہوتے ہیں جیسے سرائیکی میں 'اڈون' ہریانی میں 'نون' کہاجاتاہے جس کو 'ن' پر چھوٹی سی 'ط' واضح کیاجاتاہے۔مثلاً۔۔۔ ن۔۔۔ن

ہریانوی زبان کاایک حرف جو صرف پنجابی میں مشترک ہے 'ل'

ہریانوی	اُردو
بالک	بچے
بال	بال

اُردو واحد	ہریانوی جمع
لوگ	لوگاں
دیگ	دیگاں
یار	یاراں
دھوپ	دھوپاں
بادل	بادِلاں

کی دوسری شکل 'ل' ہے یہ عموماً صرف الفاظ کے آخر میں استعمال ہوتا ہے۔ کہیں کہیں ہریانوی الفاظ کے درمیان میں بھی آتا ہے۔ مثلاًاُردواور ہریانوی میں واحد سے جمع بنانے کا قاعدہ بھی تقریباً یکساں ہے۔ الف کو الف غنہ کے اضافے کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔ مثلاً:

قبل اس کے کہ اُردو ہریانوی کے لسانی خد و خال پر بات کی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان تاریخی و لسانی حقائق کی جانب توجہ مبذول کی جائے جو کہ ہریانوی کے پنپنے کی بنیاد ٹھہرے۔ اس سلسلے میں اس خطہ میں ہریانوی خدوخال کا عمرانی لسانیاتی جائزہ عصرِ حاضر لسانی سروے پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جبکہ ان میں سے اکثر اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کو خاص کر ہریانوی زبان کے بارے میں کوئی علم ہی نہیں تھا۔

15۔ اس سروے کے دوران یہ بات بھی دیکھنے میں آئی کہ ہماری فوج میں آجکل لشکری زبان یعنی پوٹھوہاری زبان کا رواج ہے جبکہ ہماری پولیس پنجابی زبان کو آپس میں گفت و شنید کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

جہاں تک سوال ہریانوی کے لسانی روابط کے باب میں ہے تو اس سلسلے میں ہریانوی کی چند صوتی، صرفی و نحوی خصوصیات درج زیل ہیں ان صوتی، صرفی و نحوی خصوصیات کا جائزہ لینے کے لئے قدیم ہریانوی تصانیف تیرہ ماسہ (اکرام روہتکی) فقہ ہندی (شیخ عبدل) درد نامہ (شیخ محبوب عالم) کا از سر نو جائزہ لیا گیا جبکہ جدید ہریانوی ادب کے باب میں ہریانوی! ایک توضیحی تعارف مشمولہ جنرل آف ہریانہ اسٹیڈیز جلد 4۔ 1973ء سے مدد لی گئی ہے۔

1۔ ہریانوی میں "ڑ" کی آواز کو اکثر "ڈ" سے بدل دیا جاتا ہے۔ جیسے پڑھے۔۔۔ پڈھے، پڑھنا۔۔ پڈھنا، جڑھنا۔۔ جڈھنا۔۔ بڑا۔ بڈا، مثلاً ایک کتاب، نام: بڈھے ہو گئے ہونٹ تے پہلے وغیرہ۔

2۔ ہریانوی زبان اور خصوصاً قدیم ہریانوی میں مصوتوں کی انفیعت کی بھی کئی مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں مثلاً تو۔۔۔ توں، کوچ۔۔۔ کوچ سے۔۔۔سے۔ ستانا۔۔۔ستانا وغیرہ۔

3۔ ہریانوی زبان میں بھی اُردو کی طرح مضمون میں غیر ہکاریت کے عناصر بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں مثلاً بھی۔۔۔ بی'ا بھی۔۔۔ابی، کب۔۔۔ کد، کدھر۔۔۔ کہاں، کڑے، کھٹے، کنگے اور کنہین وغیرہ غیر ہلکاریت کی مثالیں ہیں۔ جبکہ ساتھ ہی ساتھ قدیم ہریانوی میں ہلکاریت والے الفاظ بھی بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً اُردو کے قدیم نمونوں میں ہاتھ۔۔۔ہات۔ لکھنا۔۔۔ لکنا، وغیرہ۔

4۔ قدیم ہریانوی میں بھی اُردو کی طرح "نے" بطور فاعل اور علامت مفعول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً ہریانوی میں "نے"۔ علامت فاعل کے طور پر بھی بے شمار الفاظ و محاورات میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ مثلاً اس نے بھی بھینس کو ڈنڈا مارا۔۔۔ اس نے مھینس کے لٹھ۔۔ماریا" نے "علامت مفعول کے طور پر بھی قدیم ہریانوی میں دیکھنے

کو ملتا ہے مثلاً بچہ کتے کو مارتا ہے۔۔۔۔ بالک کتے نے بٹہ مارے سے۔۔۔اسلم کو ایک بچہ چاہیے۔۔۔اسلم نے ایک بالک چہیئے وغیرہ۔

6۔ قدیم ہریانوی اور اُردو دونوں میں ماضی مطلق بنانے کے لئے قاعدہ یکساں ہے مثلاً مصوتوں پر ختم ہونے والے فعلی جملوں کے بعد "یا" بطور اضافی لفظ کے داخل کیا جاتا ہے مثلاً۔

بولا۔۔۔۔ بولیا، چلا۔۔۔ چالیا، لگا۔۔۔۔۔ لاگیا، کہا۔۔۔ کہیا، مارا۔۔۔۔ ماریا، سونکھا۔۔۔۔ سونکھیا، ہنسا۔۔۔۔ ہنسیا، وغیرہ۔

7۔ ہریانوی میں جمع بنانے کا قاعدہ بھی قدیم اُردو کے بالکل مشابہ ہے۔دونوں میں جمع بنانے کے لئے آخر میں "ں" لگادیا جاتا ہے مثلاً

عاشق۔۔۔۔عاشقاں، رازق۔۔۔رازقاں، عارف۔۔۔۔عارفاں، خالق۔۔۔۔خالقاں، بلبل۔۔۔۔ بلبلاں وغیرہ۔

8۔ قدیم ہریانوی اور قدیم اُردو کے ضمائر میں بھی بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے مثلاً۔

اس، ان، وہ۔۔۔واہ، کون۔۔۔ کون۔تم۔۔۔ تم، میرا۔۔۔۔ منے، کہاں۔۔۔ کنگے، کھٹے وغیرہ۔

اس لسانی اشتراک کے باعث ابتدائی طور پر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ ہریانوی اور اُردو میں صوتی، حرفی اور نحوی قواعد میں بہت زیادہ مماثلت موجود ہے اور دونوں زبانوں میں اشتراک وانجذاب اور ادغام کے واضح امکانات موجود ہیں۔

ہریانہ کے معنی لغت کی کتابوں میں "سر سبز ہو جانے والا" یا ہری آنہ۔ وہ جگہ جہاں بھگوان آیا یا گیتا لکھی گئی" کے معنوں میں آتا ہے۔ ہریانوی زبان کے چار لہجے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مثلاً اُردو کے لفظ "کہاں" کو ہی لیجئے۔

1۔ ہریانی الاصل لفظ۔۔۔ کت ِجو کہ ہانسی، حصار اور روہتک کے علاقوں میں بولا جاتا ہے۔

2۔ کٹھے۔۔۔ یہ لہجہ بھی ہانسی، حصار اور روہتک سمیت میوات کے چند عللاقوں میں بولا جاتا ہے۔

3۔ کنگھے۔۔۔ یہ لہجہ کرنال اور اس کے اطراف میں کثرت کے ساتھ بولنے اور سننے کو ملتا ہے۔

4۔ کرڑے۔۔۔ یہ لہجہ حصار، ہانسی اور اس کے قریبی علاقوں میں بولا جاتا ہے۔

اُردو زبان پر ہریانوی کا اثر ہو یا نہ ہو مگر یہ بات بہر حال انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ اُردو کی تشکیل اور ارتقاء میں دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ ہریانوی نے اپنا مخصوص کردار ادا کیا ہے۔ یہاں ایک اور بات بھی لسانی حوالے سے بے حد اہم ہے کہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ زبانوں میں تغیر و تبدل ہونا ایک فطری امر ہے اگرچہ موجودہ عہد میں نہ تو ہمیں کہیں قدیم اُردو کے اثرات دیکھنے میں آتے ہیں اور نہ ہی قدیم ہریانوی کے اثرات موجودہ عہد میں زبان کی صورت میں باقاعدہ زندہ ہیں۔ ارتقائی حالت میں ہونے کی وجہ سے قدیم اور جدید ہریانی کا موازنہ کسی بھی طور لسانی حوالوں سے درست اقدام نہیں ہو سکتا تاہم نواح دہلی کی بولیوں میں بہر حال ہریانوی کی اہمیت مسلمہ ہے اور یہ وہی زبان ہے جس نے اُردو زبان کو شستہ بنانے میں اپنا مخصوص کردار ادا کیا ہے۔

مذکورہ بالا بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگرچہ ہریانوی اقلیتی زبان کا درجہ رکھتی ہے اور اس کے بولنے والے افراد بہت کم تعداد میں ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی لسانی اہمیت مسلمہ ہے اور اُردو زبان کو موجودہ عہد تک بطور زبان کے پوری دنیا میں متعارف کروانے میں ہریانوی نے بھی اپنا اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ زبان یقیناً مستقل قریب یا بعید میں ایک باضابطہ زبان کے طور پر اپنا جداگانہ تشخص منوانے کے لئے میدان میں ہو گی۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ محی الدین، قادری، زور، سید، "ہندوستانی لسانیات"، نسیم بک ڈپو، لکھنو، 1960ء، ص95

2۔ سبزواری، شوکت، ڈاکٹر، "اُردو لسانیات" ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2000ء، ص19

3۔ خان، مسعود حسین، دکنی یا اُردوئے قدیم، ایضاً، ص241

4۔ ماہنامہ، پیام راجپوت، کراچی، مارچ، اپریل 2000ء، ص9

5۔ احمد نثار، کنور، "ہریانوی، عوامی زبان"، مشمولہ ماہنامہ، راجپوتاں، بہاولپور، جنوری، 2000ء، ص30

6۔ ماہنامہ، پیام راجپوت، کراچی، مارچ، اپریل 2000ء، ص13

7۔ صدیقی، خلیل، "زبان کیا ہے؟" بیکن بکس، ملتان، بار دوم، 2001ء، ص 47

8۔ خان، مسعود حسین، دکنی یا اُردوئے قدیم، ایضاً، حیدر آباد، 1944ء م ص 173

9۔ خلیل احمد، بیگ، مرزا، ڈاکٹر، "اُردو کی لسانی تشکیل" ایجوکیشنل بک ہاؤس، ایضاً، علی گڑھ، ص157

10۔ سہیل عامر، "رسم الخط کی تاریخ اور ہند کو زبان کا رسم الخط"، مشمولہ، اخبار اُردو، اسلام آباد، اگست 2012ء، ص2۔3

☆1۔ ماخوذ از، نوشاد قاصر، "ہریانوی لغت" غیر مطبوعہ، ملتان

☆2۔ "ن" کے نقطے کے اوپر اور "ل" کے نیچے ہریانوی میں "ط" کا حرف لکھا جاتا ہے، لہٰذا جہاں بھی ہریانوی میں یہ حرف استعمال ہوں انہیں "ط" کے ساتھ ہی پڑھا جائے۔

☆3۔ لسانیاتی جائزہ ہند از جارج گریرسن، جلد ہفتم میں مغربی ہندی کی بولیوں میں بانگڑو کے علاقائی نسبت سے ہریانو زبان کو یاد کیا گیا ہے اور مستشرقین بھی ہریانوی کو بانگڑو یا بانگڑی ہی سے پکارتے ہیں۔

☆4۔ مہتمم ہریانہ اُردو اکادمی، راؤ سجاد بابر، ڈانواراں، تحصیل و ضلع لودھراں، صرف اول مشمولہ راجپوتی رسم ورواج اگست، 2001ء، ص7

ہریانوی کے حروفِ تہجی پر اجمالی نظر

پروفیسر کے۔ایم جاوید مرزا

ڈاکٹر شوکت سبز واری اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ حرف آوازوں کی وہ تحریری علامتین ہوتی ہیں جو حدِ امکان تک آوازوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔اور ان میں مزید اختصار کی گنجائش نہیں ہوتی۔ حروف کا ایسا مجموعہ حروف تہجی کہلاتا ہے (18) بابائے اُردو مولوی عبدالحق کہتے ہیں کہ : سادہ آوازں کو تحریری علامت میں لانے کا نام حروف ہے (19) شرف الدین اصلاحی حروف سے متعلق کہتے ہیں کہ : ہرچند کہ حروف اپنی آزادانہ حیثیت نہیں رکھتے اور صوتیات (Phonetics) کسی زبان میں پائی جانے والی آوازوں کی محض رسمتی علامتیں ہیں۔(20) اپنے تجزیات کو تحریری شکل میں پیش کرنے کے لئے ان : رسمی علامتوں : سے آشنائی لازم ہے۔اُردو ہریانوی کے صوتی نظام کے ارتقاءاوران کی تعمیر میں زبانوں کے اثرات کو سمجھنے اور نیز دونوں کے صوتی اشتراک سے شناسائی کے لئے ذیل میں اُردو ہریانوی کے حروفِ تہجی کے علاوہ عربی، فارسی اور سندھی حروف پر مشتمل ایک خاکہ درج کیا جاتا ہے۔

ہریانوی حروف تہجی کے علاوہ اُردو، سندھی، عربی اور فارسی حروف پر مشتمل خاکہ۔

نمبر شمار	ہریانوی	اُردو	سندھی	عربی	فارسی
1	آ	-	-	-	-
2	ا	ا	ا	ا	ا

3	ب	ب	ب	ب	ب
5	-	-	-	-	-
6	بھ	بھ		-	-
7	پ	پ	پ	-	پ
8	ت	ت	ت	ت	ت
9	تھ	تھ		-	-
10	ٹ	ٹ		-	-
11	ٹھ	ٹھ		-	-
12	-	ث	ث	ث	-
13	ج	ج	ج	ج	ج
14	-	-	-	-	-
15	جھ	جھ	جھ	-	-
16	-	-	-	-	-
17	چ	چ	چ	-	چ
18	چھ	چھ		-	-
19	-	ح	ح	ح	-
20	-	خ	خ	خ	خ

21	د	د	د	د	د
22	دھ	دھ		-	-
23	ڈ	ڈ		-	-
24	-	-	-	-	-
25	ر	ر	ر	ر	ر
26	ڑ	ڑ		-	-
27	ڑھ	ڑھ	-	-	-
28	ڑ	ڑ		-	-
29	ڑھ	ڑھ	-	-	-
30	-	ز	ز	ز	ز
31	-	ژ	-	-	ژ
32	س	س	س	س	س
33	-	ش	ش	ش	ش
34	-	ص	ص	ص	-
35	-	ض	ض	ض	-
36	-	ط	ط	ط	-
37	-	ظ	ظ	ظ	-

38	-	ع	ع	ع	-
39	-	غ	غ	غ	غ
40	-	ف	ف	ف	ف
41	-	ق	ق	ق	ق
42	ک	ک	ک	ک	ک
43	کھ	کھ	ک	-	-
44	گ	گ	گ	-	گ
45	گھ	گھ	گھتہ	-	-
46	-	-	-	-	-
47	ل	ل	ل	ل	ل
48	-	-	گ	-	-
49	لھ	لھ	-	-	-
50	ل	-	-	-	-
51	م	م	م	م	م
52	مھ	مھ	-	-	-
53	ن	ن	ن	ن	ن
54	ں	ں	-	-	-

55	ن	-		-	-
56	و	و	و	و	و
57	ہ	ہ	ۃ	ہ	ہ
58	ھ	ھ	ہہ	-	-
59	ی	ی	ی	ی	ی
60	ے	ے	-	-	ے
کل	39	51	52	28	25

اس خاکے میں ہریانوی حروف کی تعداد بشمول الف ممدودہ 'آ'، 39، اُردو کی 51 سندھی کی 52، عربی کی 28 اور فارسی حروف کی تعداد 25 ہے۔

اُردو حروف کی تعداد بنیادی طور پر صرف 35 پینتیس ہے۔ منشی چرنجی لکھتے ہیں کہ :اُردو زبان کی الف، بے، پے، تے۔ میں)ا، ب، پ، ت، ٹ، ث، ج، چ، ح، خ، د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ز، ژ، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ک، گ، ل، م، ن، و، ہ، ی)

پینتیس حروف ہیں۔ جن میں سے چار پ، چ، ژ، گ، خالص فارسی حروف ہیں اور آٹھ ث، ح، ص، ض، ط، ظ، ع، ق، خالص ہندی یا ناگری حروف ہیں۔ باقی حروف ایسے ہیں جو عربی فارسی دونوں میں آتے ہیں۔(21)

ہم نے دس قدیم ہائیوں (Aspirates) کو ہریانوی کی رعایت سے شامل کیا ہے۔ جبکہ دو حروف ہریانوی کی مخصوص آوازوں کی ادائیگی کے لیے لازم ہیں جو اُردو،

عربی اور فارسی میں شامل نہیں ہیں۔ :ہائیہ : آوازیں :اس سبب سے کہا جاتا ہے کہ ان میں

ہریانوی	بھ	پھ	تھ	ٹھ	جھ	چھ	دھ	ڈھ	کھ	گھ
اُردو	بھ	پھ	تھ	ٹھ	جھ	چھ	دھ	ڈھ	کھ	گھ
سندھی					جھہ				ک	گھہ

حروف کے ساتھ :ھ: کو بطور لاحقہ ادا کیا جاتا ہے۔

اگرچہ یہ تمام آوازیں باہم ملی ہوئی نہیں ہیں تاہم چند اصل اور قدرتی آوازیں ہیں جبکہ چند ملی ہوئی۔ ایسی آوازیں اُردو، ہریانوی اور سندھی سمیت تقریباً تمام مقامی بولیوں میں شامل ہیں۔ دیوناگری رسم الخط میں ان آوازون کے لئے مفرد حروف وضع کیے جاتے ہیں جبکہ عربی اور فارسی رسم الخط میں ان آوازوں کو لکھے ہوئے حروف کی شکل میں :ھ: سے ملا کر لکھا جاتا ہے۔ ذیل میں دیوناگری، ہریانوی، اُردو دیوناگری اور سندھی زبانوں میں ان آوازوں کی اشکال پیش کی جاتی ہیں

عربی فارسی حروف:

اُردو نے اپنی حروف تہجی کی بنیاد صرف عربی پر رکھی ہے اور ٹھیٹھ ہندی اور فارسی آوازوں کے لیے عربی حروف میں ضروری ترمیم کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ : "اُردو حروف عربی حروف سے ماخوذ ہیں۔ جنہیں ڈاکٹر جونز نے خود عربی کے لیے بڑی حد تک جامع اور مکمل بتایا تھا۔ ٹھیٹ ہندی اور فارسی کے لیے عربی میں ترمیم کر کے انہیں اُردو کے مزاج کے مطابق ڈھال لیا گیا"۔(22)

جیسا کہ اُردو کے حروف کی بنیاد عربی فارسی حروف پر رکھی گئی ہے اور پاک ہند میں اُردو فارسی رسم الخط میں لکھی پڑھی جاتی ہے اسی سب سے ہمیں ہریانوی کو تحریری

ضابطے میں لانے کے لئے فارسی خط کو ہی ترجیح دیتے ہوئے اپنا لینا چاہیئے تا کہ ایک معروف اور عام فہم رسم الخط ہی اس زبان کے الفاظ کو درست خطوط پر ضابطہء تحریر میں لا سکے۔ اسی بنیاد پر ہریانوی مصوتوں کے لیے حروف تہجی کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔ چونکہ ہریانوی میں عربی الفاظ کے مصوتے مفقود ہیں اسی وجہ سے عربی کے آٹھ حروف ث، ح، ص، ض، ع، اور ق کو ہریانوی حروف تہجی سے الگ کیا گیا ہے۔ تاہم عربی الفاظ کی ادائیگی کے لیے ان حروف کا استعمال بھی امکان سے خالی نہیں ہے۔ اسی طرح فارسی کے چار حروف پ، چ، ژ اور گ میں سے 'ژ" کے علاوہ تینوں مصوتے ہریانوی میں پائے جاتے ہیں لہٰذا 'ژ' کے علاوہ فارسی کے تینوں حروف کو تختی کا حصہ رہنے دیا جائے۔

ڈاکٹر احسان الحق لکھتے ہیں کہ : 'لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ عربی حروف میں تغیر کے ذریعے فارسی آوازیں حاصل کی گئیں۔ بلکہ فارسی الفاظ و کلمات میں اُردو میں اسی طرح داخل ہوئے جس طرح عربی الفاظ۔ پھر ان دونوں زبانوں کے الفاظ و کلمات کی روشنی میں اُردو حرفِ تہجی ترتیب دیئے گئے۔ یہ اور بات ہے کہ خود فارسی کی بناء عربی حروف پر ہے۔(23)

عربی فارسی مصورتوں کو ہریانوی انداز میں ہی ادا کیا جانا زبان کا حسن ہے 'اور اس میں کچھ مضائقہ بھی نہیں کہ ہر زبان دوسری زبان کے الفاظ کو اپنے انداز اور مصوتوں سے ہی ادا کرتی ہے اس کی واضح مثالین عربی، فارسی اور انگریزی میں نمایاں طور پر ملتی ہیں۔

مشترک ہندی حروف؛

عربی فارسی حروف کو الگ کرنے کے بعد اُردو ہریانوی میں جتنے مشترک حروف باقی بچتے ہیں وہ خالص ہندوستانی آوازوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ متذکرہ بالا دو حروف "ل*" اور "ن*" کے علاوہ اس قبیل کے جتنے حروف اُردو میں پائے جاتے ہیں

وہ سب ہریانوی میں موجود ہیں۔ ہر چند کہ رسم الخط میں بھی کسی نوعیت کی تبدیلی کی چنداں ضرورت نہیں رہی ہے۔ ہندی میں مستعمل متعدد آوازیں چونکہ عربی اور فارسی میں نہ تھیں اس لیے انہیں عربی فارسی حروف میں جزئی علامتیں بڑھا کر خالص دیسی آوازوں کے لیے حروف بنا لیے گئے۔

شرف الدین اصلاحی لکھتے ہیں کہ: "اُردو نے کوزی یا معکوسی آوازوں کے لیے قریب المخرج سادہ غیر منقوط حرفوں پر علامت "ط" کا اضافہ کر کے ت سے ٹ 'د سے ڈ' اور ڑ بنالیا اور ہائیہ یعنی مخلوط بہ ہائے ہوز آوازوں کے لیے اسی مخرج کے سادہ حرفوں پر علامت "ھ" کا اضافہ کر کے ب سے بھ' سے تھ' ٹ سے ٹھ' ج سے جھ' چ سے چھ' د سے دھ' ڈ سے ڈھ' ک سے کھ' گ سے گھ بنالیا:۔(24-)

ہریانوی حروف کی تشکیل:

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ ہریانوی کا کوئی خاص رسم الخط سرے سے نہیں رہا ہے۔اسے لکھنے کے لیے ہندوستان میں دیوناگری جبکہ پاکستان میں نستعلیق خط میں ہی لکھا جاتا ہے۔ تاہم ہریانوی میں دو مخصوص آوازوں ل*ن: اور: ن*ن: کی موجودگی کے حوالے سے دیوناگری میں بالترتیب: (): اور (): واضح کیے جا چکے ہیں جبکہ نستعلیق میں ان دونوں آوازوں کے لیے حروف نہیں بنائے گئے ہیں۔ ہم ان حروف کی تشکیل پہلے سے موجود حروف پر چھوٹی ط کے نیچے ایک نقطہ بڑھا کر بنا سکتے ہیں۔

ہریانوی کے مخصوص حروف:

ہریانوی کے مخصوص حروف سے مراد وہ حروف ہیں جو ہریانوی میں ہیں لیکن اُردو میں موجود نہیں ہیں۔ ان حروف اور ان کی آوازوں کا اُردو اور خود ہریانوی کے دوسرے حروف سے تعلق معلوم کرنے کے لیے ایک مفصل بحث کی ضرورت ہے۔

ہریانوی میں ادا کیے جانے والے ان مخصوص حروف میں اُردو حروف تہجی میں پہلے سے موجود حروف :ل اور ن: پر چھوٹی طوئے کے نیچے نقطہ لگا کر امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ حال ہی میں اس نوعیت کا رسم الخط سرائیکی اور پنجابی کے لیے بھی وضع کیا جا چکا ہے۔

ہریانوی میں درج ذیل دو حروف اُردو، عربی اور فارسی سے مختلف ہیں:

ل* (لن) لام کی یہ آواز ہریانوی اور پنجابی زبان کے مشترک ہے۔اس کا تلفظ ادا کرتے ہوئے زبان کا سرامڑ کر تالو کے درمیانی حصہ کو نرمی سے چھوتا ہے اور آواز ہونٹوں سے باہر نکلتی ہے۔یوں اس کا تلفظ 'لام' اور 'ڑ' کے مابین ادا کیا جاتا ہے۔

نٹن۔۔۔۔ نون (نون) کی یہ مخصوص آواز ہریانوی، پنجابی، سندھی اور سرائیکی زبانوں میں مشترک ہے۔اس کا تلفظ ادا کرتے وقت "لن" کی ادائیگی کی طرح زبان کا سرامڑ کر تالو کے درمیانی حصہ کو نرمی سے چھوتا ہے جبکہ آواز ناک سے باہر نکلتی ہے۔ جبکہ اس کا تلفظ "ن" اور "ڑ" کے مابین ادا کیا جاتا ہے۔

1۔ اُردو اور ہریانوی حروف تہجی میں :ل: یا اور :لڑ: میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً :ل: کا تلفظ :کل: کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ :لڑ: کا استعمال :ہلڑ:)ہل(کے لیے عمل میں لایا جاتا ہے۔ اسی طرح اُردو میں :ن: جبکہ ہریانوی میں :ن: کے علاوہ :نڑ: کا استعمال بھی لازم ہے مثلاً: اُردو میں :پانی: کے لیے :ن: کا تلفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ ہریانوی میں :پانڑی: تلفظ کیا جائے گا۔ان دونوں حروف کو بیک وقت ادا کیا جائے گا تو درست تلفظ ادا کیا جا سکے گا۔ "ن" اور :ڑ: کو اس طرح تلفظ کرتے ہوئے "ن" کو غُنہ کرتے ہیں اور "ڑ" کو فوراً اس کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ سندھی زبان میں اسی تلفظ کے لیے "ن" کے درمیان میں "ط" کی اضافت سے بالکل یہی حروف وضع کر لیا گیا ہے۔

2۔ اگرچہ ایسا کرنے میں ان دونوں تلفظات میں التباس کا حتمی احتمال بھی مدنظر رہے گا۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ ان دونوں حروف کے لیے "ن" اور "ل" کو مخصوص نشان دیا جائے اور یا پھر نئے سرے سے حروف وضع کیے جائیں۔ بالکل اسی طرح جیسے اُردو کے حروف تہجی وضع کرتے وقت مختلف حروف کو نقطوں کی اضافت کے ساتھ وضع کیا گیا ہے۔

3۔ ہندوستان میں ہریانوی الفاظ کی ادائیگی کے لیے دیوناگری رسم الخط کی بدولت ان دونوں حروف کے لیے علیحدہ علیحدہ حروف وضع کر لیے گئے ہیں اور اسی سبب سے دیوناگری رسم الخط میں ہریانوی الفاظ کی ادائیگی انتہائی آسان ہو گئی ہے۔ دیوناگری میں "ل" کے لیے () استعمال کیا جاتا ہے جبکہ "لڑ" کے لیے () کا استعمال عمل میں لایا جاتا ہے۔ "ن" کے لیے () جبکہ "نڑ" کے لیے () کا حرف وضع کر لیا گیا ہے۔

4۔ چونکہ پاکستان میں ہریانوی زبان کے بولنے والے تو ہر جگہ موجود ہیں لیکن لکھنے کا کام تاحال درست خطوط پر شروع نہ ہونے کے باعث اس زبان کو ضابطہ تحریر میں لانا چنداں گزار رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تاحال کمپیوٹر پر کمپوزنگ کے لیے بھی ہریانوی کا کوئی کلیدی تختہ منظر عام پر نہیں آسکا ہے۔

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی لکھتے ہیں کہ: "اہل فارس نے جب عربی حروف کو اپنی زبان کے لیے اختیار کیا تو اپنی خاص آوازوں کے لیے عربی حروف پر نقطے لگا کر نئے حروف بنا لیے۔ مثلاً ب پر دو نقطے بڑھا کر پ، ج پر دو نقطے بڑھا کر چ اور ر تین نقطے بڑھا کر ژ بنائے گئے:(25)

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہریانوی کا ایک مخصوص حرف: ن: سندھی، سرائیکی اور دیگر بولیوں میں بھی مستعمل ہے۔ اس حرف کی بناوٹ اور مصوتے سے متعلق شرف الدین اصلاحی فرماتے ہیں: "یہ نون غنہ اور "اور 'ڑ' (نو+ڑ) سے مرکب

ہے اور ہندی سنسکرت کے () کا جانشین ہے۔ کو ہم اُردو میں لکھنا چاہیں تو بڑی آسانی سے 'نڑ' کی شکل میں لکھ سکتے ہیں۔ رہا اس کا تلفظ ادا کرنا، تو اگر نون غنہ اور ڑ کو الگ الگ اہل اُردو بول سکتے ہیں تو ترکیب کی صورت میں انہیں کیوں نہیں بول سکتے۔ قدیم اُردو میں یہ آواز اور اس کا املا 'نڑ' پائے جاتے ہیں مثلاً بعض پرانے نسخوں میں "کھانا" کی بجائے "کھانڑا" اور "دانہ" کی بجائے "دانڑا" لکھا ہوا ملتا ہے۔(26)

اگرچہ اصلاحی صاحب نے اس حرف کے تلفظ کی ادائیگی کے حوالے سے ایسا کہہ تو دیا تاہم "ن اور ڑ" کو مرکب بنا کر لکھنے سے اس کے تلفظ کی مناسب ادائیگی ناممکن ہے۔ کیونکہ اول تو اُردو زبان میں نون غنہ سے شروع ہونے والے الفاظ موجود نہیں ہیں کہ ان کی ادائیگی کی مشق ہو۔ دوم یہ کہ ان دونوں حروف کو ترکیب سے لکھنے پر "نڑ" کی آواز پیدا ہو گی۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اُردو میں اس حرف کو خاص علامت کے ساتھ وضع کیا جائے تا کہ ہریانوی، پنجابی، سندھی یا سرائیکی الفاظ کے لکھنے اور تلفظ کے ادا کرنے میں چنداں دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔

ہر چند کہ قدیم اُردو کتب میں یہ آواز اور اس کا املا 'نڑ' پائے جاتے ہیں تاہم قدیم اُردو میں اس تلفظ کا رواج عام ہونے کی وجہ سے اُردو میں بھی بولا جاتا تھا جسے اصلاح زبان کے زمرے میں لا کر ترک کر دیا گیا۔ جبکہ ہندی یا سنسکرت کے ایسے تمام الفاظ، جن میں یہ آواز آتی ہے، جب اُردو نے اپنائے تو ان میں () نڑ کو "ن" سے بدل لیا۔ مثلاً: 'کارن "پران" وغیرہ اصل میں "کارنڑ" "پرانڑ" تھے۔

اسی حرف کی بہتر نشاندہی اور تلفظ کی ادائیگی کے حوالے سے اصلاحی صاحب فرماتے ہیں: 'اپنے مقالے میں ہم نے اس کے لیے 'نڑ' کی علامت اختیار کی ہے۔ تا کہ 'ٹ' سے ممتاز رہے، مثلاً سندھی کے لفظ "چشی" کو ہم اُردو رسم الخط میں "چٹنٹی" لکھیں گے:(27)

اُردو کے برعکس ہریانوی نے اس آواز کو محفوظ رکھا، ایسے الفاظ جن میں صرف اتنا فرق ہے کہ اُردو میں جہاں "ن" ہے وہاں ہریانوی میں وہ)نون(سے بدل جاتا ہے۔اُردو ہریانوی میں ایسے مشترک الفاظ کی ایک طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔

حرکات و علل:

عربی کے وہ تمام حروفِ علت ا۔و۔ی اور حرکاتِ ثلاثہ زبر۔زیر۔پیش، تنوین، جزم، مد شد جو اُردو میں پائے جاتے ہیں انہیں

1۔	زَبَر	(فتح)	کد	(کب)
2۔	زیر	(کسرہ)	نِیر	(پانی)
3۔	پیش	(ضمہ)	سُر	(گانے کا سُر)
4۔	الف	ا	سا	
5۔	یائے	ی	بِیر	(بھائی)
	معروف			
6۔	یائے مجہول	ے	دیر	
	(تاخیر)			
7۔	یائے ما قبل یَ		اُورَے	(یہاں۔وہاں
	مفتوح		اوڑَے۔کَڑے	کہاں)
8۔	واوِ معروف	وُ	سُوں	
	(ہوں)			
9۔	واوِ مجہول	و	سو۔دو۔رو	
10۔	واوِ قبل مفتوح	وَ	سَو	(100)

ہریانوی میں بھی من وعن برتا جا سکتا ہے۔ ذیل میں تمام مثالیں ہریانوی سے دی گئی ہیں۔

حرکات:

حروف علت:

علاوہ ازیں ہریانوی بولی کو زبان کی سطح پر لانے کے لیے اُردو سے ہریانوی کے صوتیاتی اشتراک کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے تاہم وقت کی نزاکت کے پیش، نظر اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے البتہ آئندہ آرٹیکل میں ان توضیحات کو بھی پیش کیا جائے گا۔ جن میں ہریانوی صوتیات، توضیحی تعلقات، مصمت صوتیوں کی تقابلی فہرست، ہریانوی مصوتے، منفوس مصوتے اور انفعی مصوتے۔ صوتی تغیرات جن میں صوتی تبدیلیاں اور مصوتوں کی تبدیلی کی انفرادی اور عجیب مثالیں بھی پیش کی جائیں گی۔

اس کے ساتھ ساتھ ہریانوی تشکیلیات جن میں مشتق الفاظ، مرکب الفاظ، اسم فاعل بنانے کا قاعدہ، اسم مفعول بنانے کا قاعدہ، اسم حالیہ، مرکبات عطفی، توصیفی واضافی مرکبات بھی وقت کے پیش نظر فی الحال بیان نہیں کیے جا رہے ہیں۔

قواعد کے اعتبار سے ہریانوی اسم، جنس، رشتے داروں کے نام، واحد جمع، حالت، ضمیروں کا اشتراک، اسمائے اشارت، ضمائر، فعل پر بھی سیر حاصل گفتگو کی جا سکتی ہے اور ایک طویل فہرست تیار کی جا سکتی ہے۔ نحوی حوالے سے بھی ہریانوی زبان میں مبتدا، مفعول، موصول اور جواب موصول، متعلقات و توابع، تمیز، حروف جر، مرکب اضافی، توصیفی، عطفی، اشاری، عددی، ندائی، جملے، ہم رتبہ جملے، وصلی جملے، تابع جملے اور جملہ شرطیہ کو مفصل بیان کیا جا سکتا ہے۔

ذخیرہ الفاظ پر غور کیا جائے تو ہریانوی زبان اپنے اندر میں ایک وسیع ذخیرہ الفاظ رکھتی ہے جس کی نشاندہی اوپر ڈاکٹر عمران اختر کے بیان سے بھی ظاہر کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں ہریانوی کے پاس مشترک ذخیرہ الفاظ کا بھی وسیع خزانہ موجود ہے جن میں ہندی الاصل مشترک الفاظ، عربی الاصل مشترک الفاظ، فارسی الاصل مشترک الفاظ اور انگریزی کے مشترک الفاظ کی بھی طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔

مابعد قیام پاکستان ہریانوی شاعری: ایک مطالعہ

نجمہ عثمان راؤ

شاعری گھنٹی پرانی صنف ہے ۔ اُردو شاعری نیں ہریاڑوی شاعری کا پر تو کہواں تو غلط نہیں ہووے گا۔ برصغیر ینھ جنم لینڑ آلی گھنکھری بولیاں نیں سنسکرت سے جنم لیا۔ ہریاڑوی زبان کے ڈانڈے بھی برصغیر کی اسے پراڑی زبان سے جا کے ملیں ہیں۔ ہندواں کی چاروں مذہبی کتاباں میننھ ہریاڑوی کے خالص الفاظ ملیں ہیں۔ جو اس زبان نیں قدیم آریائی بولیاں ینھ سے ایک ثابت کرے ہیں۔ سنسکرت کے زوال کے بعد برصغیر ینھ کئی لسانی و ادبی تحریکاں نیں جنم لیا۔ ان علاقائی تحریکاں کا مقصد اپڑی اپڑی بولیاں نیں فروغ دیڑا ار ادب کی ترویج تھا۔ یوء وا زمانہ تھا جب شمالی ہندوستان ینھ سکھاں کی مذہبی زبان پنجابی نیں خوب ترقی کری۔ گرو گرنتھ سکھاں کی مذہبی کتاب کا درجہ راکھے ہے جس ینھ 32 شعراء کا کلام درج ہے۔ ان ینھ سے گھنکھرے شاعراں نیں اپڑی شاعری ینھ ہریاڑوی کے الفاظ استعمال کرے ہیں جس سے ہریاڑوی زبان کی قدامت کا اندازہ لگایا جا سکے ہے۔

برصغیر میننھ ہریاڑوی زبان کی قدامت مسلمہ ہے۔ جس کی ایک وجہ اس زبان میننھ تخلیق ہونڑ آلا صدیاں پراٹا ادب ہے۔ ادبی اصناف میننھ قدیم ترین

صنف شاعری ہے۔ کیونکہ پرانڑے شاعراں نیں سب سے پہلے شاعری ء اپنٹا ذریعہ خیال بنٹایا۔ لہٰذا وقت گزرنڑ کے گیل گیل شاعری مینھ بھی تبدیلی آندی گئیں۔ ناں صرف لسانی اعتبار سے شاعری مینھ بدلاؤ آیا بلکہ شاعری کی ہیت بھی بدلدے منظر نامے کا حصہ رئیں۔ ہریانوی زبان مینھ موجود ادبی ذخیرہ اُردو ادب کا اہم اثاثہ ہے۔ چونکہ یو حقیقت ہے کہ ہریانوی اُردو زبان کی بنیاد گزار ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ ہم ہریانوی شاعری کے آغاز و ارتقاء پے بات کردے ہوئے اُردو شاعری کے ابتدائی نقوش بی سامنڑے راکھاں۔ لمبے عرصے تک ہریانوی اُردو زبان کی سرپرستی کر دی رئی۔ جس کے نتیجے مینھ اُردو مینھ موجود گھنکھرا ہریاڑوی ادبی ذخیرہ آج اُردو ادب کی قدامت مینھ اضافہ کرے ہے۔ چونکہ ہمارا موضوع ہریاڑوی شعری روایت ہے، اس واسطے پہلے اپاں ہریاڑوی شاعری کی ان اصناف کا جائزہ لیواں گے جنھاں نیں شعرائے ہریاڑوی شاعری کے شروع مینھ مختلف موضوعات مینھ برتیا ار عوام مینھ مقبولیت حاصل کری۔

ہریاڑوی شاعری کے شروع مینھ راگنی لکھی گئیں جو شاعری کی ء ایک صنف ہے۔ یونان کی شاعری کے شروع مینھ جس طریوں رزمیہ داستان اور لوک قصے شاعری کا موضوع تھے۔ اسے طریوں ہریانوی شاعری مینھ بھی راگنی کی صورت مینھ برصغیر کی لوک داستاناں، رزمیہ واقعات ار تاریخی کہانیاں نیں موضوع بنایا گیا۔ راگنی مینھ ایک شخص کے جذبات و احساسات کی بجائے بیٹھک مینھ بیٹھڑ آپے شخص کے خیال ار عمل موضوع بنایا۔ 1206ء مینھ بہاری مل نیں راگنی کے ذریعے شاعری شروع کری۔ بہاری مل ہندوستان کے شہر نارنول کا رہنڑ آلا تھا۔ جس نیں پہلا ہریاڑوی شاعر ار گائیک مانیا جاوے ہے۔

شروع سے ء شاعری عام آدمی کے احساسات جذبات، دکھ، سکھ، وفا ار بے وفائی کے موضوعات کا احاطہ کر دی آئی ہے۔ بہاری مل کی راگنیاں) بھی انہیں موضوعات کی ترجمانی کر دی نظر آویں ہیں۔

تیرھویں صدی مینھ ہم نیں جو راگنی لکھڑ آلے شعراء نظر آویں ہیں ان مینھ چیتن شرما، بہاری مل کے نام اہم ہیں۔ اس کے بعد لمبے عرصے تک راگنی گوئی میں کوئی بڑا نام نظر کونی آندا۔ سولہویں صدی مینھ کشن لال بھٹ ار شیو کا وردوا سے شاعر گزرے جنھاں نیں اپڑی راگنیاں کے ذریعے لوگاں مینھ نام کمایا۔ دونوں شاعراں نیں راگنی کے ذریعے عام لوگاں کی سوچ نکھاری ار جذبات سنوارے۔ ان شعراء کے بعد راگنی کی روایت مینھ راگنی گو شاعراں کا ایک لمبا سلسلہ نظر آوے ہے جس مینھ سعد اللہ (1706ء)، بنسیال (1802ء) احمد بخش (1899ء-1854ء) علی بخش (1899ء-1854ء)، سورج بھان ورما (1842ء-1889ء)، پنڈت سروپ چند (1956ء-1916ء) اور جاٹ مہر سنگھ دہیا (1944ء-1918ء) کے نام اہم ہیں۔

پنڈت لکھمی چند نیں اپنی راگنیاں مینھ نا صرف موضوعات رنگ برنگ کے برتے بلکہ ان کا کلام عام فہم، سادہ بھی تھا۔ سادہ الفاظ کے استعمال نیں ان کی راگنیاں مینھ گھٹا اثر پیدا کر دیا جس کی وجہ سے ان کی راگنیاں لوگاں کے دلاں مینھ بس گیں۔ ان کی لکھی راگنی اپنے دور کے اساطیری حوالیاں کا بھی موضوع بنڑی۔ یوئے وجہ ہے کہ انہاں نے اپنی راگنیاں سے وائے کام لیا جو ان کے بعد مختلف تحریکاں کے ذریعے لکھن آلے شعراء نے لیا۔ پنڈت لکھمی چند نیں ہریانہ کا شیکسپیئر بھی مانیا جاوے ہے۔ راگنی لکھڑ کا رجحان متحدہ ہندوستان میں ئِ

ختم نہیں ہویا بلکہ پاکستان بنن کے بعد بھی ہجرت کر کے آن آلے جب سرحد کے اس پار آ کے آباد ہوئے تو اپنی تہذیب ار ثقافت کے گیل ادب اور فنون لطیفہ بھی گیل لے کے آئے۔ یوء وجہ ہے کہ پاکستان بنڑ کے بعد بی ھم نیں راگنی گو شعراء کی لمبی فہرست نظر آوے ہے۔ جنھاں نیں **اپنے** کلام سے کام لیندے ہوئے لوگاں کی توجہ اپنی کاھنی کری۔ قیام پاکستان کے بعد کے شعراء مینھ محمد شریف عرف بنواری پاکسواں، فضل دین، جھنڈو میر ، بندے میر مھی، گیانی میر چاندی آلا، زیب النساءزیبو، میر محمد صدیق ، افضل باگڑی ار محمد سلیمان بادی کے نام گھنٹی اہمیت کے حامل ہیں۔

اوپر ذکر آنڑ آلے شاعراں نیں اپنٹی راگنیاں مینھ عام لوک زبان مینھ موجود محاورے اس قدر خوبصورتی سے برتے کہ لوگاں نیں راگنی کی صنف سے اوپرا پنڑ محسوس کونی ہویا۔ یینھ ء گلوکار جب اپنٹا کلام محفلاں میں گاندے تو ایک سماں بندھ جے تھا۔ گھنکھرا کلام تو لوگاں نیں زبانی یاد تھا اور یوء کامیاب شاعری کی دلیل ہووے ہے۔ ہریانٹوی شاعری مینھ راگنی کی صنف کے گیل گیل ٹھمری ار سانگ کے میدان مینھ بھی گھنٹے شعراء نیں کلام لکھیا۔ ٹھمری کا نام آوے تو ادب کے قاری کے ذہن مینھ سب سے پہلا نام واجد علی شاہ کی ٹھمریاں کا آوے ہے۔ واجد علی شاہ کا نام اُردو ادب مینھ ڈرامہ نگاری کے حوالے سے بھی اہم ہے۔ ان کی لکھی ہوئی ٹھمریاں نہ صرف گائی جاویں تھیں بلکہ اس زمانے مینھ جو ڈرامے (سانگ) عوام کے سامنے پیش کرے جاویں تھے ان مینھ بھی موقعے کی نزاکت کے حساب سے ٹھمری شامل کری جاویں تھیں ۔ تا کہ دیکھنڑ آلاں کی دلچسپی برقرار راکھی جا سکے۔ ار کم الفاظ کے ذریعے بات عوام نیں

سمجھائی جا سکے اور موسیقیت کا ماحول بھی قائم رہوے۔ واجد علی شاہ نیں بھی ہریاݨوی زبان مینھ ٹھمریاں لکھیں، ٹھمری لکھݨ واسطے ہندوستان مینھ دو زباناں کا استعمال کرا گیا۔ جن مینھ ہریانوی ار پوربی شامل ہیں۔

قدیم ہندوستان مینھ شاعری مذہب کا اہم حصہ تصور کری جاوے تھی، اس کی اہم مثال ہندی شاعری مینھ بھجناں کی صورت میں موجود ہے۔ ہریاݨوی زبان مینھ بھی بھجن لکھݨ کی روایت ہندی بھجناں جتنیٔ قدیم ہے۔ ہریاݨوی زبان مینھ بھجن لکھݨ آلیاں مینھ لکشمن گوپال ، دیپ چند، سیڈھو، مانگے میر، جموا میر سناری آلا، دھنپت میر، بندے میر بلھا اور نیاز محمد لوہاری آلا کے نام اہم ہیں۔

راگنی کی طرح تقسیم ہندوستان کے بعد بھی بھجن لکھن کی روایت ختم نہیں ہوندی بلکہ پاکستان بݨن کے بعد بھی پنڈت لکشمی چند ار دھنپت میر اپنے بھجناں مینھ جنگی داستان اور لوک قصے کہاݨیاں بڑی ء خوبصورتی سے برتدے ہوئے نظر آویں ہیں۔ ان دو استاداں کے شاگرداں کی لمبی صف آپاں نیں پاکستان بݨن کے بعد بھجن ، راگنی ار سانگ کے میدان مینھ کام کردی نظر آوے ہے، جن مینھ غفور محمد غفور، موجی میر موٹھیا، ممتاز میر بوانی آلا ار غوث محمد قابل ذکر ہیں۔

بھجن ، راگنی ار سانگ ہریاݨوی زبان کی قدیم شعری اصناف ہیں، شاعری سانگ کا بھی اہم حصہ رہی ہے، پختہ شاعری نیں سانگ مینھ موجود مکالماں نیں پر اثر بݨاݨ مینھ اہم کردار ادا کریا۔ سانگ کی صنف باقاعدہ شاعری سے تعلق کونی راکھدی بلکہ دورِ جدید کا ڈرامہ ار قدیم ہندوستان مینھ سانگ کے نام

سے مشہور تھا۔ جس کا لازمی حصہ راگنی پے مشتمل تھا اس واسطے سولھویں صدی میںنھ پیش کرے جاݨ آلے ڈرامے (سانگ) اہمیت کے حامل ہیں۔

یوء وا دور تھا جب ہریانوی شعراءنیں رزمیہ داستان بھی اپݨی شاعری کا موضوع بنائیں۔ اس سلسلے میںنھ علاؤ الدین خلجی کے دور میںنھ مشہور قصہ پدماوت گھݨی اہمیت اور شہرت کا حامل رہیا جو معروف ہریاݨوی شاعر ملک محمدجائیسی نیں نظم کرا۔ اس کے علاوہ دھنپت میر کے سانگ، بݨ دیوی ، انجمن آرا، لیلو چمن، جانی چور، روپ بسنت، گجنا اس وقت گھݨے مشہور ہوئے۔ ان شعراءکی یو مقبولیت صرف ہریاݨہ میں ء نیں بلکہ دور دور کے گاماں میںنھ بھی پھیل گئی تھی۔ دور دور کے لوگ سانگ دیکھݨ آندے سانگ ار راگنیاں کی اہم بات یو تھی کے تخلیق کار پرفام بھی خود ء کریں تھے جس کی وجہ سے خیال کی رنگینی ار بیان کی ندرت ان تخلیقات کے چار چاند لادے تھی۔ انیسویں صدی میںنھ مشترکہ ہندوستان میںنھ اس فن سے جڑے بڑے بڑے نام مھارے سامݨے آویں ہیں ان میںنھ لکشمی چند، جموا میر ارجھنڈو میر نیں ان اصناف میںنھ گھݨی شہرت حاصل کری۔ بلکہ اپݨے بعد شاگرداں کی گھنی تعداد بھی چھوڈی جو پاکستان بݨن کے بعد بھی راگنی ار سانگ کی دنیا مینھ اپݨے جوہر دکھاندے رہٗے۔

جھنڈو میر کے دو سانگ "پھول دیوی" اور "راجہ بھوج" نے اپݨے دور میں گھݨا نام کمایا۔ پچھلے صفحاں میںنھ پاکستان بݨن کے بعد ان تینوں اصناف میںنھ طبع آزمائی کرݨ آلے جن شعراءکا ذکر ہے انھاں نیں اپݨے اردگرد کے ماحول اور تہذیب و ثقافت کا بدلاؤ نہ صرف محسوس کریا بلکہ یہ بدلاؤ ان کے کلام میںنھ بھی نئے موضوع لے کے آیا۔ متحدہ ہندوستان کی فضا ان فنکاراں واسطے سازگار

تھی۔ اس کے باوجود نظریاتی اختلاف پے ہجرت کرنڑ آلے ان فنکاراں نیں اپنٹا فن قیام پاکستان کے بعد بھی زندہ راکھیا۔ ان شعراء کے کلام میںنھ پایا جانڑ آلا سر، موضوعات کی رنگارنگی کے گیل گیل ان فنکاراں کے فن میںنھ موجود موسیقیت ارتغزل نیں عوام نیں اپنٹے جادو میںنھ جکڑے راکھے سے۔

محمد شریف عرف بنواری پاکسواں نیں راگنی کی صنف میںنھ جوہر دکھائے اور پاکستان بنٹن سے پہلے ء عوام میںنھ خوب نام کما لیا تھا۔ پاکستان آنڑ کے بعد بھی اپنٹے فن کے کمال دکھاندے رہیے۔ ان کی راگنیاں میںنھ بھی خیال کا خوبصورت اظہار تو ملے ء ہے موضوعات کا تنوع اور جزئیات راگنیاں نیں اور خوبصورت بنا دیں ہیں جس طریوں ان کی ایک راگنی سے مثال حاضر ہے۔

کت جاسے پیا جی میرا دل توڑ کے
توں بھونکے جا میں دیکھتا ناں پیٹھ موڑ
کے

بری عاشقی سمجھنڑ آلا ٹکے نئیں پیر بھی
تو بے سمجھ بھتا میں اپنٹے اوپر اوٹوں
کشٹ قہر بھی
تیرے کی طریاں آنکھ پیاجی کوئے
بدلے نہیں غیر بھی
توں غیر سمجھ کے مری ساتھ ایب تے
ء لے بیر باندھ بھی[۱]

ایک اور راگنی میںھ عاشق اور محبوب کے عشقیہ معاملات کو اس طرح سے بیان کریں ہیں:

سب تھے کھوٹی کار عاشقی جی نیں راسا
ہویا کرے
کے راسے تھے گھبراوے جس کا عشق
خلاصہ ہویا کرے
بھوجن بھجن اکنت عشق بھی گپت
تماشا ہویا کرے
جو گپتی کرے پریم واہ عاشق ادھ
بسواسا ہویا کرے
بڈے بڈے بلوان ہار گے ٹھگی چوری
چاری کر کے
بھوت گھنٹے گئے پہنچ بہشت مینھ عشق
محبت یاری کرکے[۲]

ہریانوی سانگ کی دنیا میںھ ایک نام عبدالعزیز عرف گیانی میر چاندی آلے کا بھی ہے۔ گیانی میرنیں بچپن سے ء سانگ سنڑ دیکھڑ کا شوق تھا۔ وائے شوق ایک دن اس نیں ضلع حصار مینھ اپنٹے وقت کے نامی سانگی ہر پھول کے گام بوانی لے گیا اراس نیں ہرپھول کی شاگردی اختیار کرلی۔ ہریانہ سے ہجرت کر کے پاکستان آنڑ کے بعد بھی ان کے نام کاڈ نکابا جدا ریا۔ گیانی میر کے ہم عصر سانگیاں میں پنڈت لکھمی چند، مانگے باہمنٹ، باجے نائی، دھنپت میر بار پاکستان

مینھ میربندے علی بلھا والے، جھنڈومیر، میربندے علی مھی اور میر باگڑی جسے بڑے شاعر شامل ہیں، لیکن ان تمام ہم عصر شعراءکے ہوندے ہوئے گیانی میرنیں اپنٹی نیاری پچھانٹ قائم کری۔ ان کے مشہور سانگاں مینھ کولادیوی، گجنا اور ہیر رانجھا شامل ہیں ان کے کلام سے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

کسی اداسی چھاگی ترا کیوں مرجھا گیاچہرہ
ایک بابا جی نیں بچن بھرا کے راج مانگ لیا میرا
کیو کر دے دیا راج پتی ہم نیں ناں پاٹیا بیرا
تنے آپ ء مالم پڑ جاگی جد کوچ کراں گے ڈیرا
جو گھر آئے مانس نیں ٹھاہ دیوے واہ مانس مت بھاگی
منے یوئے سمجھ کے راج دے دیا دل ینھ بات سماگی[۳]

متحدہ ہندوستان مینھ جنم لینٹ آلے ان شاعراں کی شاعری مینھ صرف معاشرتی موضوعات اور عشق و عاشقی کے معاملات پے ء شاعری کونی ملدی بلکہ اس وقت کے اساطیری حوالے بھی ان کی شاعری میں جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں۔ فارسی اور عربی سے مستعار لیئی گئی تراکیب کے علاوہ برصغیر مینھ مختلف ادوار مینھ جنم لینٹ آلی تراکیب اور اصطلاحات کا استعمال اور جس معاشرے سے ینھ شاعر تعلق راکھیں تھے اس کا عکس اساطیری قصے، کہانی اور لفظیات کی صورت شاعری مینھ نظر آویں ہیں۔ گیانی میر کی ء ایک اور راگنی اس بات نیں واضح کرے ہے۔

ایک راجہ کے چار پتر ہوں سب کی ادا نرالی
کوئی ڈپٹی بنے کوئے تھانیدار کوئے بر بر برہالی
کرماں کی ازمائش باوڑے کونیاں ہوش سنبھالی
جیا جنت پسو پکھیرو خدا بند خود مالی
ڈھلدی پھروی چھاں ہوسے تری رہنِی ناں جاگیر
کونڑ کسے کا کھایا کرے ہو مانٔس کی تقدیر[۴]

اوپر بھتائے گئے وینھ شاعر ہیں جنھاں نیں اپنٹی شاعری کے ذریعے سالاں تک ہریانوی شاعری زندہ راکھی ار پاکستان بنڑ کے بعد بھی اپنٹے سوز و ساز مینھ کوئی کمی نہیں آن دیئی۔ پر اس نسل کے مرن کے بعد ہم نے ہریانوی شاعری مینھ ایک لمبا گیپ نظر آوے ہے۔ عوام کی دلچسپی کے موضوعات بدلے تو سانگیاں نیں زوال کا سامنا کرنا پڑا اس ضمن میں ہریاڑوی کے استاد شاعر نوشاد قاصر اپنٹے ایک مضمون میں لکھیں ہیں:

''پارٹیشن مینھ جو ہریاڑوی پاکستان آئے
وینھ راگنیاں کے ارسانگاں کے رسیا
تھے۔ پارٹیشن کے بعد گھنٹے ء عرصے
لگ سندھ پنجاب میں بہت سانگ ہویا
کریں تھے۔ گاماں مینھ کئی کئی دن لگ
سانگ پارٹیاں رکیا کریں تھیں دور دور
کے گاماں تھے لوگ سانگ دیکھڑ آیا

کریں تھے۔اس نسل کے جایاں پچھے
سانگ دن بہ دن زوال کا شکار ہو گے تو
سانگیاں نیں اپنٹی روزی روٹی کی پڑ
گئی۔ جاہیں تے اکثر بیڑے بند سانگ
کرنٹا چھوڑ گے ار اس کام سے دور
ہوندے چلے گئے۔ پر اس ساری
صورتحال مینھ بھی میر محمد صدیق،
حاجنؕ حسینہ بیگم، ارشاد علی، ارشد
بادی، علی شیر، میر فضل دین، محمد
افضل ار کچھ اور فنکار اس زبان مینھ
تھوڑا گھنٹا کام کردے رہیے"۔[۵]

پر ہریانٹوی شاعری کا یو سلسلہ ان شاعراں پے کونی رکدا بلکہ مختصر سے وقفے کے بعد ہریانٹوی شاعری نئی اصناف کے گیل ہم نیں جلوہ گر ہوندی نظر آوے ہے، قیام پاکستان کے بعد ہریانٹوی شعری روایت میں غزل (رچنا)، نظم دوہہ ار قطعہ لکھنٹ کا رجحان پیدا ہویا اُردو ادب مینھ جس صنف سے غزل کا نام دیا گیا ہریانٹوی شعراء نیں اس سے رچنا کا نام دیا۔ لیکن ان مینھ صرف نام کا فرق ہے، دونوں اصناف کے لکھنٹ کی تکنیک ایک جسی ہیں۔ اُردو شاعری میں غزل کی طرح ہریانٹوی رچنا مینھ بھی خیال کی بوقلمونی اور چاشنی پائی جاوے ہے۔ پر ایک چیز جو ہریانوی غزل نیں موضوع کے اعتبار سے ممتاز کرے ہے وا اس صنف مینھ استعمال ہونٹ آلی جزئیات نگاری ہے۔ ہریانٹوی رچنا کے مضامین لامحدود

ہیں۔ اس کا مطلب یو ہے کہ ہریانْوی رچنا مینھ ہر طرح کا مضمون باندھݨ کی اہلیت موجود ہے۔ بہت سے اسے مضمون بھی تھے جو رچنا سے پہلے یا یوں کہوں کے ابتدائی رچنا مینھ رچنا (غزل) کا حصہ کونی تھے لیکن وقت کے گیل گیل شعراءنیں ان مضامین مینھ بھی طبع آزمائی کری اروینھ آج رچنا کا خوبصورت حصہ خیال کرے جاویں ہیں۔ یو بات ذہن مینھ راکھݨ کی ضرورت ہے کہ ہر زبان کی شاعری اپݨے ابتدائی دور مینھ بلکہ ایک طویل عرصے تک اپݨے زمانے کے موضوعات سے عبارت ہووئے ہے ۔ اس مینھ سادگی ار ابتدائی کوشش تو نظر آوے ہے پر ہم اس نیں اعلیٰ ادبی معیار پے جانچن کی غلطی کونی کر سکدے۔ عربی، فارسی شاعری کا مطالعہ اس بات کی اہم دلیل ہے۔

ہریانْوی رچنا کی روایت مینھ اختر دولتالوی، لیاقت علی آزاد، نوشاد قاصر، رانا عبدالحکیم بٹیالوی، اصغر ترمذی، میر ظفر زیدی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ ان شعراءنیں اپݨے کلام مینھ نئے موضوعات تے اپݨایا، معاشرتی حقائق کے گیل رومانوی موضوعات خوبصورتی سے برتے اور ہریانوی شعری روایت آگے بدھائی۔ ان تمام شعراءکا مطبوعہ کلام منظر عام پے آچکیا ہے ، ہریانوی شعری روایت کے حوالے سے ہریانوی کے معروف شاعر اور محقق احمد سجاد بابر رقم طراز ہیں:

"کنور نثار احمد مرحوم کی "انمول رتن"
ہریانْوی دوہوں اور ضرب المثال پر
مشتمل ہے۔ ان کی ایک اور تخلیق
'پھر ساون آیا رے" ساون کے

موسم میں ہریانوی رسوم اور ہریانوی
گیتوں پر مشتمل ہے، ڈانواراں ضلع
لودھراں سے کشور لودھراں شاعری
پر اپنا مجموعہ "بڈھے ہو گے ہون تے
پہلے" لاچکے ہیں۔ ڈانوراں کے ہی
ایک سپوت صابر علی صابر نے "اُردو
دوہانگاری اور ہریانوی کا لفظی
اشتراک" کے موضوع پر ایم فل کا
مقالہ مکمل کر چکے ہیں"۔[۶]

اختر دولتاوی ستر کی دہائی مینھ ہریانوی شعری روایت مینھ جلوہ گر ہونٹ آلے بڈے شاعر ہیں ان کی شاعری موضوعی بھی ہے اور احساسات و جذبات کی ترجمان بھی۔ "ماں" کے موضوع پے ہر بڑے شاعر نیں طبع آزمائی کری ہے کیونکہ یو ایک آفاقی جذبہ ہے جو ازل سے ابد تک موجود رہوے گا۔ اختر دولتاوی اپنی نظم "ماں" مینھ اس عقیدت کا اظہاریوں کریں ہیں۔

ماں کی شان میں کے لکھوں رے ماں
تو ماں ء ہووے سے
ہر دم دیکھ دعا کے جونٹسی بیٹھی ہار
پرووے سے
کاڈھے مانگ ارسرمہ گھالے لاڈ لڈاوے
سے تیرے

سو سو ہیھری ماتھا چومے صدقے
جاوے سے تیرے
تیرا بچھوڑا سوکا کر کےآپ آلے مینھ
سووے سے
ماں کی شان میں کے لکھوں رے ماں
تو ماں ء ہووے سے[۷]

اختر دولتاوی کی شاعری مینھ روزمرہ کے معاملات شعری سخن مینھ ڈھل کے تخیل کی بلندی نیں چھوندے نظر آویں ہیں۔ زبان و بیان کی صفائی، سادگی شیرینی اور بے ساختگی جا بجا بکھری ہوئی نظر آوے ہے۔ جس تہذیب سے تعلق راکھیں ہیں اس معاشرے کی رسومات نیں موضوع بناندے ہوئے خوب صورت پیرائے میں بیان کرݨ کا ہنر جانیں ہیں۔ اس ضمن مینھ ''بھات کا گیت'' ، ''گیت''، ''راگنی''، ''ارماہیے'' اہم ہیں۔

سادھو ہریانوی کی شاعری متنوع موضوعات کی حامل ہے۔ جت لفظیات کے گیل گیل جزئیات کا بیان تسلسل کی صورت مینھ نظر آوے ہے۔ باوزن شاعری ایک مشکل امر ہے اور اسی زبان مینھ جت شاعری کی کچھ مخصوص اصناف مینھ گھٹی مثال بی نہ ملدی ہوں اسے موضوع سے انصاف کرݨا مشکل کام ہے پر سادھو ہریاݨوی یو کام بڑی روانگی سے کر دے نظر آویں ہیں۔ ان کی نظم ''حمدیہ راگنی'' سے یو مثال ملاحظہ ہو:

کڑوا کڑوا نیم اُگاوے میٹھی آمبی

ہووے سے

رات ینھ دھولادن گھالے واہ دن ینھ

رات پرووے سے

اسنے اُونگھ بی آندی کونیاں ساری دنیا

سووے سے

آپے کچھ بی ہوندا کونیاں واھے کرے

تو ہووے سے

وائے ٹھنڈی باؔل چلاوے واھے بھیجے

تاتی لو

آپ اپٹی بولی مینھ رب نیں یاد کریں

سیں سب سادھو[۸]

ہریاݨوی شاعری نیں اگر ادوار میں تقسیم کراں تو شعری روایت نیں نہ صرف سمجھݨ مینھ آسانی ہووے بلکہ بدلدے وقت گیل ان شاعراں کی شاعری مینھ جو موضوعات اور لفظیات مینھ بدلاؤ آیا وابھی سمجھ مینھ آوے گا۔ اس حوالے سے ابتدائی صفحات مینھ ہریانوی شاعری مینھ جو اصناف اور شاعر کلاسیک کا درجہ راکھیں ہیں ان کی تفصیل بیان کری گئی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ہریاݨوی شاعری مینھ جن شعراءنیں رچنا، راگنی، دوہا، زندہ راکھیا ان تمام شعراءنیں اگر قیام پاکستان کے بعد ہریانوی شاعری مینھ نئی اصناف کے بنیاد گزار کہواں تو غلط نئیں ہووے گا۔

ہریاݨوی شاعری کا تیسرا دور جدید شاعری کا ہے جس مینھ شعراءکی ایک بڑی تعداد اس زبان مینھ شاعری کردی نظر آوے ہے۔ ساٹھ کی دہائی مینھ اس زبان مینھ زوال پذیر ہوݨ آلی صنف نیں اکیسویں صدی مینھ دوبارہ زندہ کرݨ کا سہرہ نوشاد قاصر کے سر ہے۔ انہاں نیݨ نہ صرف خود شاعری کری بلکہ ہریانوی کے لاتعداد شعراءان سے اپݨی شاعری مینھ اصلاح لیویں ہیں۔ نوشاد قاصر نیں مختلف مشاعراں کے ذریعے اس زبان کے بولݨ آلیاں مینھ شاعری کرݨ، سمجھݨ ار سݨݨ کا شوق پیدا کرا۔ جدید شعری روایت مینھ ہریاݨوی شعراءکے نام درج ذیل ہیں۔ نوشاد قاصر، انور علی رانا، وقار شاکر، احمد سجاد بابر، رانا وکیل انجم، شاہد جامی، کنور واجد علی، صابر علی صابر، راؤ انعام اللہ خاں، رانا محمد اختر، ازہر سفیر اور راؤ وحید اسد۔

نوشاد قاصر استاد شاعر ہیں ان کی رچنا مینھ ہریاݨوی رنگ جگہ جگہ بکھرا نظر آوے ہے۔ رومانوی موضوعات کی بوقلمونی، عشقیہ معاملات کی واردات اور ہجر و وصال کے قصے ان کی شاعری کا اہم حصہ ہیں۔ اپݨی ایک رچنا مینھ اس کا اظہار یوں کردے نظر آویں ہیں۔

گئے دناں کی یاد بھی تھی
آنگݨ آلی جال کے مانہہ
دو ایک بول بھی پیار بھرے
دھر لے نیں اس مال کے مانہہ
کچھ تو آنجھو سانبھ کے راکھ
کام آنویں گے گال کے مانہہ

دوہا نگاری نیں ہریانوی مینھ نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ ہریاڑوی زبان مینھ لکھے جاڑ آلے دوہے، ہریاڑوی معاشرت اور تہذیب و تمدن کے گیل اس زبان سے تعلق راکھڑ آلے لوگاں کے احساسات و جذبات کے عکاس بھی ہیں۔ ذیل مینھ کچھ ہریاڑوی شعراء کے دوہے درج ہیں:

اے بھین ترا جھلسا چہرہ ان کے رنگ
بڑھائے
اے بھین تری اپڑی عورت دوجے
کے گھر جائے

(عالی) [۹]

ماٹی کا تو جایا پالا، ماٹی تیری ذات
مٹھی بھر ماٹی کے پتلے، تیری کیا
اوقات

(گمنام) [۱۰]

دیوے سے بل اٹھیں سیں، روشن
ہووے شام
دل کے بھیتر چاندنا، چھوری تیرا نام

(احمد

سجاد بابر) [۱۱]

ہریانوی شاعری کے جدید دور مینھ شعراءنیں نہ صرف رچنا مینھ نئے تجربات کرے بلکہ نظم کی صنف مینھ بھی طبع آزمائی کری۔ نظم چونکہ ایک ء موضوع کے گرد گھومے ہے اس واسطے اس صنف مینھ لکھنٹا قدرے آسان ہے لیکن چونکہ یہ سارے وینھ شاعر ہیں جن کے سامنٹے ہریانٹوی مینھ نظم لکھنٹ کی کوئی روایت موجود کونی اسی صورتحال مینھ موضوعی شاعری مینھ خیال کا اظہار، تخیل کی زور آوری اور بیان کی ندرت گھنٹی اہم ہے۔ نظم مینھ موضوع اور ہیت کی کوئی قید کونی ہوندی اس واسطے رچنا اور مثنوی کی ہیت مینھ بھی ہریانٹوی نظم لکھی گئی ہیں۔ ہریانوی نظم مینھ بیانیہ انداز مختلف موضوعات کے ذریعے شعراءکے ہاں جلوہ گر ہووے ہے۔ وقار شاکر کا "عارفانہ کلام" رانا اختر کا "گیت" رانا تاج مرسلین کی نظم "وطن کا گیت" رانا وکیل انجم کی نظم "ہریانوی گیت" اور شاہد جامی کی نظم "رُوکھ" اس سلسلے مینھ گھنی اہمیت کی حامل ہیں۔ شاہد جامی کی نظم "روکھ" کا یو حصہ ملاحظہ ہو:

باٹ کے دونوں کانی تھے ہم
آندے جاندے ہر پردیسی گیلاں مھاری سانجھ ہووے تھی
روج ء کتنے لوگ آنویں تھے
دھوپ کے مارے
ٹوٹے ہارے

مھاری جھولی میں سِر دھر کے

پیر پسیار کے پڑجیں تھے [۱ ۲]

وقار شاکر کی نظم "عارفانہ کلام" میں یو ء موضوع عشق کے ایک الگ رنگ مینھ یوں بیان کر دے نظر آویں ہیں:

مرنٹ کا بھے سے یوہ تو ینھ کو لکڑے گا

دو دن کا یوہ میلہ ایک دن بچھڑے گا

پچھتاونٹ سے آچھا بکھت ء ڈر جانا

جوگی آلا پھیرا ایک دن مر جاٹا [۱ ۳]

بین الاسطور ان سارے شعراء کے نام موجود ہیں جنھاں نیں قیام پاکستان کے بعد زوال پذیر ہریانوی شاعری سے نا صرف نئے موضوعات دیئے بلکہ اپنی شاعری کے ذریعے اس زبان کے بولنٹ آلیاں مینھ شاعری کا شوق بھی پیدا کریا۔ ہریاٹوی شاعری مینھ موجود راگنی، سانگ، بھجن، رچنا، دوہا، نظم اور قطعہ نہ صرف ہریاٹوی ادب نیں مالا مال کرے ہے بلکہ اس زبان کے ذخیرہ ———— الفاظ نیں بھی مھارے سامنٹے لے کے آوے ہے۔ کسے بھی تہذیب و تمدن اور زبان و بیان سے تعلق راکھنٹ آلا انسان احساسات و جذبات راکھے ہے لیکن ہر احساس نیں تخیل کی پرواز دے کے الفاظ کے پیرائے مینھ بیان کرنٹ کی صلاحیت ہر زبان مینھ کونی ہوندی۔ ہریاٹوی زبان بی انسان کے خیال کی زور آفرینی نیں محسوس کر سکے ہے بلکہ اپنٹے دامنٹ سے اس احساس نیں بیان کرنٹ کے اسے الفاظ بھی دیوے ہے کہ اس زبان کے قاری نیں کوئی تشنگی محسوس کونی

ہونڈی اور یوعکسے بھی زبان کی خاصیت ہے کہ اس میں لکھیا جاڑ آلا ادب مختلف موضوعات ار احساسات کا ترجمان کتنا ہے۔

حوالہ جات

١۔ نوشاد قاصر، پاکستان میں ہریانوی زبان کا سفر، مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، ملتان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ ١، جولائی تا ستمبر 2021ء

٢۔ ایضاً، ص ۵

٣۔ ایضاً، ص ۵

۴۔ ایضاً، ص ۷

۵۔ ایضاً، ص ۵

۶۔ احمد سجاد بابر، ہریانوی زبان و ادب، مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، ملتان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ ١، جولائی تا ستمبر 2021ء، ص ١٢

٧۔ اختر دولتاوی، ہریانوی گلدستہ ، (مدون)، نوشاد قاصر، نجمہ عثمان ، ملتان، نوھرہ پبلی کیشنز، ص 205

٨۔ سادھو ہریانوی، حمدیہ راگنی، مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، شمارہ ١

٩۔ صابر علی، دوہا نگاری میں ہریانوی اور اُردو کا لسانی اشتراک، مقالہ برائے ایم فل اُردو، 2016-2017ء، NCBA بہاولپور، ص ٧۵

٠١۔ ایضاً، ص 59

١١۔ ایضاً، ص 59

٢١۔ شاہد جامی، ہریانوی گلدستہ، (مدون) نوشاد قاصر، نجمہ عثمان، 2022ء، ص 63

٣١۔ ایضاً، ص 56

راؤ رحمت علی کے افسانوی مجموعہ "مراڑ" کا تنقیدی جائزہ

نجمہ عثمان راؤ

ہریانوی زبان کی تاریخ اُردو زبان تھے گھنیء پرانی سے یوں کہواں کہ پرانے وقتاں میں لکھیا جان آلا گھنا ادب ہریانوی زبان میں ء موجود سے تو بات اس واسطے غلط کونی ہو سکدی کہ اُردو زبان کے ابتدائی بخت میں جو مثنویاں، داستان، ہجویات، نثری کتب اور شاعری میں ہریانوی کے لفظ گھنی تعداد میں ملیں ہیں، ملا وجہی کی سب رس، بھگت کبیر، واجد علی شاہ کی ٹھمریاں، قطب مشتری اور اس کے علاوہ میر و سودا کے کلام میں بھی ہریانوی زبان کے الفاظ گھنے استعمال کرے گئے سیں۔ ہریانوی زبان میں ادب لکھن کا یوہ سلسلہ صرف قدیم دور میں ء کونی ختم ہو جاندا بلکہ پاکستان بنڑ کے بعد بھی اس زباڑ کے بولڑ آلے وقتاً فوقتاً طبع آزمائی کردے رہے انہیں تخلیق کارواں میں ایک بڑا نام راؤ رحمت علی کا بھی سے۔ راؤ رحمت علی نے ہریانوی ادب کی دنیا ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے جانے سے۔ ان کا افسانوی مجموعہ "مراڑ" جب منظر عام پے آیا تو ہریانوی ادب کی دنیا میں اس نے گھنی پزیرائی ملی اس مجموعے میں گیارہ افسانے ان کے طبع زاد اور تین افسانے دوسری زبانوں سے ترجمہ کرے سیں۔ اپنے

افسانوی مجموعہ میں اپنی تاریخ پیدائش اور ابتدائی تعلیم کے بارے میں یوں لکھیں ہیں۔

"راؤ رحمت علی نیں جون کی پہلی تاریخ 1928ء سینپل تحصیل و ضلع رہتک ہریانہ میں نائب صوبیدار نذر علی کے گھر جنم لیا۔ پہلی پڑھائی اپنے گام کے پرائمری مندر سے کر کے مڈل سکول کلنگا ضلع روہتک سے 1944ء میں پاس کرا۔"

آگے چال کے اپنے بچپن کے بارے میں لکھیں سیں۔ "1947ء میں پاکستان بن گیا اور ہم سارے ہریانوی اپنا ایمان بچا کے پاکستان آگے ارسارے پاکستان میں بکھر گے اس سے نہ مھاری بولی اپنی رہی نہ مھاری کوئے ثقافت رہی۔ میں سکول میں ماسٹر بھرتی ہو گیا۔ برصغیر کی تقسیم کے بخت لاکھاں کروڑ الوگاں نے ہجرت کری اپنا گھر بار اپنی جنم بھومی اور ویں گلی جن میں کھیلدے کوددے لوگ بالک سے بوڑھے ہوگئے تھے چھوڑ کہ آنا آسان کونی ہوندا، یوء وجہ سے کہ جن لوگاں نے ہجرت کری ویں اللہ اور اس کے رسولؐ واسطے اپنے وطناں نے چھوڑ کے تو آگے پر اس ماٹی کی خوشبو نے کدے بھول کونی سکے۔ راؤ رحمت علی کا شمار بھی انہیں لوگاں میں ہووے سے جن کے سانساں میں اپنے دیس کی بورچ بس ری تھی راؤ رحمت علی کی اپنے وطن اور اپنی ثقافت سے محبت کے بارے میں نثار احمد ایڈووکیٹ لکھیں سیں۔

"بابا ہریانوی زبان کا پاکستان میں گرو سے پر بابا نے آج تک چیلہ کوئی نہیں بنایا۔ کوئی گنی سے کیونکہ گن کی حد کونی ہوندی۔ بابا ہریانوی ادب کا کیری سے۔ ادب جگت کا ساجھا ہو سے۔ مامتا ہو تو اسی بڈھیا کتاب لکھی جاوے سے۔ اس کتاب میں شامل ا فساناں کے موضوع بھی ہجرت کے بعد لکھے گئے

موضوعات سے الگ کونی سنتالیس میں پاکستان کا ہنی ہجرت کرن آلے لاکھاں لوگاں میں راؤ رحمت علی بھی شامل تھا جو اپنا گھر بار، گلی کوچے، اپنا دیس، کھیت کیار سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے پاکستان آ گے تھے، اور اپنے گیل ہریانوی ماٹی تمدنی، لسانی اور علاقائی ریت رواج لیا ئے تھے۔ یوء وجہ سے کہ برسا برس گجرن کے باوجود راؤ رحمت علی کے افساناں میں کوے اجنبیت محسوس کونی ہندی ار بات بی ٹھیک سے ایک واانس جس نے اپنی نجراں سے اپنا دیس رچ دا بس دادیکھیا ہو اور ایک وا جس نے گام گلیاں کی،پیار آدر کی باتاں صرف سنی ہوں برابر کیونکر ہو سکیں سیں۔ جناب عبدالحکیم رانا بیٹانوی راؤ رحمت علی کے براہِ راست تجربے کے بارے میں یو لکھیں سیں:

"یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دید اور
شنید کے درمیان بعد اعشر اقین ہوا کرتا
ہے لہٰذا وہ شخص جس نے آرائش
نگار خانہ کے بارے میں محض سنا ہو
اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جس
نے اس نگار خانے کا بذات خود نظارہ
کیا ہو"۔

زیر بحث کتاب میں راؤ رحمت علی نے چھوٹی چھوٹی کہانایں کی صورت میں وہ بہترین موضوعات بیان کرے ہیں جن نے پڑھ کے ہریانوی ادب کا قاری نا صرف اس وقت کے سماجی، تہذیبی بلکہ ہریانوی زبان و ادب سے بھی واقفیت حاصل کرے سے اوریںھ ساری کہانی افسانے کے معیار پے بھی پورا

اتریں سیں۔ا ختصار بھی لکھن آلے کی علمی حیثیت نے سامنے لیا آوے سے 'مراڑ" مینھ رحمت علی نے جس طرح مختصر کہانیاں کے اندر اختصار سے اپنی بات کردے ہوئے جامع موضوعات کا احاطہ کریا سے واکسے عام تخلیق کار کے بس کی بات کونی۔ کتاب کے اندر شامل پہلے افسانے "مراڑ" میں رضیہ کا کردار صرف رحمت علی کے افسانے کا نہیں بلکہ اس معاشرے کا زندہ جاگدا کردار سے مھارے اردگرد گھنی تعداد میں اسے لوگ پائے جاویں ہیں جو اپنی عجت نے بچاندے بچاندے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں سیں۔ اس بے رحم معاشرے میں جے کوئی بھلا مانس کسے کی مدد کرن کے بارے مین سوچ بھی لیوے تو زمانے کی ٹھوکر کھایا ہو یا بے چارہ آدمی یقینی ار بے یقینی کی کیفیت میں ء مارا جاوے سے کتاب میں شامل دوسرا افسانہ "تمنا" بھی یوں کہواں کے ایک میاں کی نہیں بلکہ گھر گھر کی کہانی سے تو اس واسطے غلط کونی ہووے کہ اس معاشرے میں لوگائی کی اپنی کوئی حثیت کونی یوء وجہ ہے کہ انسان سے عجت نے بغیر کرن کی بجائے عجت کا سنبل اس دوغلے معاشرے میں لوگائیاں نےء سمجھا جاوے سے۔بیاہ کے بعد چھورے چھوری کا پیدا ہونا سب خدا کی کرنی ہووے سے پر نھئیں اُرے بھی چھوری کی پیدائش پے لگائی نے مجرم مانا جاوے سے اور طعنے تشنے دے دے کے اس کا کالجہ چھالنی کر جاوے سے افسانے "تمنا" میں سے ایک اقتباس حاضر سے: دو چار سال پاچھے مریاں کی ماں بی مر گئی فیر تو ساس نندان کی کھلی چھٹی ہو گی ایک مریاں کے اولاد کونا ہوئی دوسرے ماں باپ مر گے تیسرا بھائی کونا تھا۔ کت جاندی ایک سسرے کا دم تھا"۔

راؤ رحمت علی "مراڑ" میں معاشرتی اور تہذیبی موضوعات پے لکھن کے گیل گیل اخلاقی موضوعات پے بھی طبع آزمائی کردے نجر آویں سیں۔ ان کے افسانے "ایکا" دوسرا بیاہ، سنجوگ، بھائی چارے کا جور اور مغالطہ اسے بات کے عکاس سیں۔ ان افساناں میں مصنف معاشرے میں پھیلی برائیاں اور ان نے دور کرن واسطے انسان نے کے طریقہ اپنانا چاہیے بہت اچھے سے بیان کریں سیں۔ رحمت علی نے اپنے افساناں کے موضوع کت ء امبر پار سے کونی لیئے یوء وجہ سے کہ ان کے افساناں کے کردار جیندے جاگدے کردار سیں جن میں انسانیت بھی زندہ ہے اور احساس بھی پر اس کے گیل گیل بشری کمزوریاں بھی پائی جاویں سیں اور یوء ایک اچھے افسانہ نگار کی خوبی سے کہ وا اپنی تخلیق میں اسے کردار دکھاوے جو معاشرے کے تمام کردار ہوں تا کہ لوگ اس نے پڑھ کے اوپرا محسوس نا کریں ۔ اس کتاب میں شامل باقی افسانے جن میں، کرنی کا پھل۔ بچپن، پھول، لہو اور ایجاد کی ماں کے کردار بھی اس معاشرے کے کردار سیں ان افساناں میں راؤ رحمت علی جیندے جاگدے نے خوبیاں استعمال کری سے وا بہت سادہ اور آسان ہریانوی جبان سے ان افساناں یں پڑھیدے ہوے ہریانوی جبان کے قاری نے کسے قسم کی کوئ مشکل پیش کونی آندی بلکہ وا تسلسل گیل پوری کتاب نیں پڑھدا چلا جاوے سے مصنف کا اسلوب اگر آسان ہو تو عام قاری نے بھی اس کی لکھت میں دلچسپی پیدا ہووے سے راؤ رحمت علی کا اسلوب بھی سادہ اور عام فہم سے مثال کے طور پے: "میں سولاں برس کا تھا جدو اپیدا ہو یا تھا۔ آٹھ سال ہم نے کٹھے کھیل کے بتائے تھے۔ وامنے ارمیں اس نے جی جان تےپیار کراں تھے وہ چھوٹا تھا تو میں اپنے ہاتھاں تھے اس نے کھوایاپیایا

کروں تھا وا اپنے ماں باپ گیل کم ار میرے گیل گھنار ہوے تھا" "بیر اناں وا کون تھا۔ اللہ اس کا بھلا کرے۔ باپو چھڑکا چھڑکن باھر گیا تو منے سوچیا۔بیاہ لگ تو میں ٹھیک ٹھاک ہوئی تھی۔ میرے بیاہ کے دناں میں گڈو کی طبیعت بھی ٹھیک تھی"۔ پاکستان میں راؤ رحمت علی نے سب سے پہلے افسانہ نگاری کا آغاز کریا اس واسطے آپاں رحمت علی ہریانوی زبان میں افسانے کی دنیا کا پریم چند کہواں تو غلط کونی ہووے کیونکہ پاکستان میں راؤ رحمت علی سے پہلے ہریانوی افسانے کی کوئی روایت کونی ملدی اور انہاں نے ہریانوی زبان میں افسانے لکھ کے ایک روایت چلا دی۔

مقدمہ انتخاب شاعری (ترکھیت)

نجمہ عثمان راؤ

شاعری قدیم صنف ہے اور اُردو شاعری ہریانوی ہی کی ایک قسم ہے۔ برصغیر میں پنپنے والی زیادہ تر بولیوں کا ماخد سنسکرت کو مانا جاتا ہے۔ ہریانوی زبان کے ڈانڈے بھی برصغیر کی اسی قدیم ترین زبان سے جا ملتے ہیں۔ ہندوؤں کی چاروں مذہبی کتابوں میں ہریانوی کے خالص الفاظ موجود ہیں جو اس زبان کو قدیم آریائی بولیوں میں سے ایک ثابت کرتے ہیں۔ سنسکرت کے زوال کے بعد برصغیر میں کئی لسانی و ادبی تحریکوں نے جنم لیا۔ ان علاقائی تحریکوں کا مقصد اپنی اپنی بولیوں کو فروغ دینا اور ادب کی ترویج تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب شمالی ہندوستان میں سکھوں کی مذہبی زبان پنجابی نے خوب ترقی کی۔ گرو گرنتھ سکھوں کی مذہبی کتاب کا درجہ رکھتی ہے جس میں ۲۳ شعراء کا کلام درج ہے۔ ان شعراء میں سے بیشتر نے ہریانوی زبان کے الفاظ اپنی شاعری میں استعمال کیے ہیں جس سے ہریانوی زبان کی قدامت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

برصغیر میں ہریانوی زبان کی قدامت مسلمہ ہے جس کی ایک وجہ اس زبان میں صدیوں سے تخلیق ہونے والا ادب بھی ہے۔ ادبی اصناف میں قدیم ترین صنف شاعری ہے۔ کیونکہ زمانہ قدیم میں تخلیق کاروں نے سب سے پہلے شاعری کو ہی اپنا ذریعہ اظہار بنایا۔ لہٰذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شاعری بھی تغیر پذیر ہوتی گئی۔ نا صرف لسانی اعتبار سے شاعری میں بدلاؤ آیا بلکہ شاعری کی

ہیتیں بھی بدلتے منظرنامے کا حصہ بنیں۔ ہریانوی زبان میں موجود ادبی ذخیرہ اُردو ادب کا اہم اثاثہ ہے۔ چونکہ یہ مسلم حقیقت ہے کہ ہریانوی اُردو زبان کی بنیاد گزار زبان ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم ہریانوی شاعری کے آغاز و ارتقاءپر بات کرتے ہوئے اُردو شاعری کے ابتدائی نقوش کو سامنے رکھیں۔ عرصہ دراز تک ہریانوی زبان اُردو زبان کی سرپرستی کرتی رہی جس کے نتیجے میں اُردو میں موجود بہت سا ہریانوی ادبی ذخیرہ آج اُردو ادب کی قدامت میں اضافہ کرتا ہے۔ چونکہ ہمارا موضوع ہریانوی شاعری ہے لہٰذا سب سے پہلے ہریانوی شاعری کی ان اصناف کا جائزہ لیں گے جنہیں ابتداءمیں ہریانوی شعراءنے برتا اور عوام میں مقبولیت حاصل کی۔

ہریانوی شاعری کے آغاز میں راگنی کی صنف میں طبع آزمائی کی گئی۔ یونانی شاعری کی ابتداءمیں جس طرح رزمیہ داستانوں اور لوک کہانیوں کو شاعری کا موضوع بنایا گیا اُسی طرح ہریانوی شاعری میں بھی راگنی کی صورت میں برصغیر کی لوک داستانوں، رزمیہ قصوں اور تاریخی واقعات کو موضوع بنایا گیا۔ راگنی میں مرد کے انفرادی جذبات و احساسات کے بجائے مجلسی شخص کے خیال اور عمل کو موضوع بنا ا ۔ 1206ءمیں بہاری مل نے راگنی کو اظہار کا ذریعہ بنایا۔ بہاری مل ہندوستان کے شہر نارنول کا رہنے والا تھا۔ جسے پہلا باقاعدہ راگنی لکھنے اور گانے والا تصور کیا جاتا ہے۔ شاعری ابتداءسے ہی عام آدمی کے احساسات، جذبات، دکھ، سکھ ، وفا اور بے وفائی کے موضوعات کا احاطہ کرتی آئی ہے۔بہاری مل نے بھی اپنی راگنیوں میں انہیں موضوعات پر طبع آزمائی کی۔

تیرھویں صدی میں ہمیں جو راگنی لکھنے والے شعراءنظر آتے ہیں ان میں چیتن شرما، بہاری مل کے نام اہم ہیں۔ اس کے بعد عرصہ دراز تک کوئی بڑے نام راگنی گوئی میں نظر نہیں آتے ۔ سولہویں صدی میں کشن لال بھٹ اور شیو کا ور دو ایسے شاعر گزرے جنہوں نے اپنی راگنیوں کے ذریعے عوام الناس میں مقبولیت حاصل کی۔ دونوں شعراءنے راگنی کو عام لوگوں کی سوچ کو نکھارنے اور ان کے جذبات کو سنوارنے کا ذریعہ بنایا۔ ان شعراءکے بعد سعد اللہ (۱۷۶۰ئ) ، بنسال (۱۸۰۲ئ)، احمد بخش (۱۸۹۹- ۱۸۵۴ئ) ، علی بخش (۱۸۹۹ئ-۱۸۵۴ئ)، سورج بھان ورما (۱۹۴۲ئ-۱۸۸۹ئ)، پنڈت سروپ چند (۱۹۵۶ئ-۱۸۹۰۱ء) ، پنڈت لکھمی چند (۱۹۴۵ئ-۱۹۰۳ئ)، دھنپت سنگھ (۱۹۷۹ء- ۱۹۱۶ء) اور جاٹ مہر سنگھ دیہا (۱۹۱۸-۱۹۴۴ئ) کے نام اہم ہیں۔

پنڈت لکھمی چند نے اپنی راگنیوں میں ناصرف موضوعات کی رنگا رنگی کو برتا بلکہ عام فہم، سادہ زبان کے استعمال نے ان کی راگنیوں کو اس قدر پُر اثربنا دیا کہ عوام کے دل میں گھر کر گئیں۔ ان کی لکھی راگنیاں اپنے دور کے اساطیری حوالوں کا بھی موضوع بنیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی راگنیوں سے وہی کام لیا جو بعد ازاں مختلف تحریکوں کے زیر اثر لکھنے والے شعراءکے ہاں نظر آتا ہے۔پنڈت لکھمی چند کو ہریانہ کا شیکسپیئر بھی مانا جاتا ہے۔ راگنی لکھنے کا رجحان متحدہ ہندوستان میں ہی ختم نہیں ہوا بلکہ پاکستان بننے کے بعد بھی ہجرت کے سبب لوگ جب سرحد پار آکر آباد ہوئے تو اپنی تہذیب و ثقافت کے ساتھ ادب اور فنون لطیفہ بھی ساتھ لے کر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد بھی

ہمیں راگنی گو شعراء کی طویل فہرست نظر آتی ہے۔ جنھوں نے اپنے کلام کے ذریعے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ رکھا۔ قیام پاکستان کے بعد کے شعراء میں محمد شریف عرف بنواری بندہ بلھے شاہ، ممتاز میربوانی، امیر باگڑی، حاجن حسینہ فضل دین، جھنڈومیر، بندے میر مہی، گیانی میرچاندی والا ،زیب النساءزیبو، میر محمد صدیق، افضل باگڑی اور محمد سلیمان بادی کے نام اہم ہیں۔

مندرجہ بالا شعراء نے اپنی راگنیوں میں عام لوک زبان میں موجود محاوروں کو اس قدر خوبصورتی سے برتا کہ لوگوں کو راگنی کی صنف سے اجنبیت محسوس نہیں ہوئی، ان تخلیق کاروں کا کلام جب مجموں میں گایا جاتا تو ایک سماں بندھ جاتا۔ زیادہ تر شعراء کا کلام عوام کو ازبر تھا اور یہ کسی بھی کامیاب شاعر کی دلیل ہوتی ہے۔ہریانوی شاعری اور راگنی کی صنف کے ساتھ ساتھ ٹھمری اور سانگ کی اصناف میں بھی مختلف شعراء نے طبع آزمائی کی۔ ٹھمری کی روایت کا ذکر آئے تو ادب کے قاری کے ذہن میں سب سے پہلا نام واجد علی شاہ کی ٹھمریوں کا آتا ہے۔ واجد علی شاہ کا نام اُردو ادب میں ڈرامہ نگاری کے حوالے سے بھی اہم ہے۔ ان کی لکھی ہوئی ٹھمریاں ناصرف گائی جاتی رہیں بلکہ اس زمانے میں جو ڈرامے عوام الناس کے سامنے پیش کیے جاتے ان میں بھی موقع محل کے مطابق ٹھمریاں شامل ہوتیں تاکہ کم الفاظ کے ذریعے عوام کو بات کا مفہوم سمجھایا جا سکے اور موسیقیت کی فضا بھی قائم رہے۔ واجد علی شاہ نے بھی ہریانوی زبان میں ٹھمریاں کہیں، ٹھمری لکھنے کے لیے دو زبانوں کا استعمال کیا گیا جن میں ہریانوی اور پوربی شامل ہیں۔

قدیم ہندوستان میں شاعری مذہب کا ایک اہم حصہ تصور کی جاتی تھی اس کی اہم مثال ہندی شاعری میں بھجنوں کی صورت موجود ہے۔ ہریانوی زبان میں بھی بھجن لکھنے کی روایت ہندی بھجنوں جتنی ہی قدیم ہے۔ ہریانوی زبان میں بھجن لکھنے والوں میں لکشمن گوپال اور دیپ چند ، سیڈھو، مانگے میر، جموا میر سناری والا ،دھنپت میر، بندے میر بلھا اور نیاز محمد لوہاری والا کے نام اہم ہیں۔ راگنی کی طرح تقسیم ہندوستان کے بعد بھجن کی روایت ختم نہیں ہوتی بلکہ پاکستان بننے کے بعد بھی پنڈت لکشمی چند اور دھنپت میر اپنے بھجنوں میں جنگی داستانوں اور لوک قصوں کو خوبصورتی سے برتتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد درج بالا دونوں استاد شعراء کے شاگردوں کی ایک پوری صف ہمیں ہریانوی شاعری میں بھجن گوئی کو اپنی شاعری میں وسیلہ اظہار بناتی نظر آتی ہے جن میں غفور محمد غفور، موجی میر موٹھیا، ممتاز میر بوانی اور غوث محمد قابل ذکر شعراءہیں۔

بھجن، راگنی، سانگ، ہریانوی کی قدیم شعری اصناف ہیں۔ شاعری سانگ کا بھی اہم حصہ رہی ہے۔ پختہ شاعری نے سانگ میں موجود مکالموں کو پر اثر بنانے میں فعال کردار ادا کیا۔ سانگ کی صنف باقاعدہ شاعری سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ دورِ جدید کا ڈرامہ قدیم ہندوستان میں سانگ کے نام سے مشہور ہوا۔ جس کا اہم حصہ راگنی پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس ضمن میں سولہویں صدی میں پیش کیے جانے والے ڈرامے (سانگ) اہمیت کے حامل ہیں۔

یہی وہ دور تھا جب ہریانوی شعراءنے رزمیہ داستانوں کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا اس ضمن میں علاؤ الدین خلجی کے دور کا مشہور قصہ پدماوت

کافی شہرت کا حامل رہا ہے جسے معروف ہریانوی شاعر ملک محمد جائیسی نے نظم کیا ہے۔ اس کے علاوہ دھنپت میر کے سانگ بن دیوی، انجمن آرائ، لیلو چمن، جانی چور، روپ بسنت، گجنا اس وقت کافی مقبولِ عام ہوئے اور ان شعراء کی یہ مقبولیت صرف ہریانہ ہی نہیں بلکہ دور دور تک پھیل گئی۔ دور دراز سے لوگ سانگ دیکھنے آتے ان سانگ اور راگنیوں کی اہم بات یہ ہوتی تھی کہ تخلیق کار پرفارم بھی خود کرتے تھے جس سے خیال کی رنگینی اور بیان کی خوبصورتی ان تخلیقات کو چار چاند لگا دیتی تھی۔ انیسویں صدی میں مشترکہ ہندوستان میں اس فن سے جڑے جو بڑے نام ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں لکشمی چندار جمو امیر اور جھنڈو میرے ان اصناف میں کافی شہرت حاصل کی بلکہ اپنے بعد شاگردوں کی ایک بڑی تعداد بھی چھوڑی جو پاکستان بنے کے بعد بھی راگنی اور سانگ میں اپنے جوہر دکھاتے رہے۔ جھنڈو میر کے دو سانگ "پھول دیوی" اور "راجہ بھوج" نے اپنے سننے اور دیکھنے والوں میں کافی نام کمایا۔ گزشتہ سطور میں قیام پاکستان کے بعد ان تینوں اصناف میں طبع آزمائی کرنے والے جن شعراء کا ذکر ہے انہوں نے اپنے اردگرد کے ماحول اور تہذیب و ثقافت کے بدلاؤ کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ یہ بدلاؤ ان کی شاعری میں بھی موضوعات کے ساتھ نظر آتا ہے۔ متحدہ ہندوستان کی فضا ان فنکاروں کے لیے ساز گار تھی اس کے باوجود نظریاتی اختلافات پر ہجرت کرنے والے ان فنکاروں نے اپنے فن کو قیام پاکستان کے بعد بھی زندہ رکھا اور موضوعات کی رنگا رنگی کے ساتھ ساتھ ان فنکاروں کے فن میں موجود موسیقیت اور تغزل نے عوام کو اپنا اسیر بنائے رکھا۔ محمد شریف عرف بنوای پاکسواں نے راگنی کی صنف میں طبع آزمائی کی اور پاکستان بننے سے قبل ہی عوام

میں کافی مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی اس فن میں اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے رہے۔ ان کی راگنیوں میں موضوعات کا تنوع جزئیات کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ خوبصورت خیال کے ذریعے وہ اپنی راگنیوں میں سامعین کو محظوظ کرنے کے ساتھ ساتھ تخیل کی دنیا کی بھی سیر کرا دیتے ہیں جیسے کہ ان کی ایک راگنی سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

کت جا سے پیاجی میرا دل توڑ کے
توں بھونکے جا میں دیکھتا ناں پیٹھ موڑ
کے

بری عاشقی سمجھن آلا ٹیکے نہیں پیر بھی
توں بے سمجھ بھتا میں اپنے اوپر
اوٹوں کشٹ قہر بھی
تیرے کی طریاں آنکھ پیاجی کوئے
بدلے نہیں غیر بھی
توں غیر سمجھ کے مری ساتھ ایب تے
ئِ لے بیر باندھ بھی
,,,,,,,,

اور ایک راگنی میں عاشق اور محبوب کے عشقیہ معاملات کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

سب تھے کھوٹی کار عاشقی جی نہیں
راسا ہو یا کرے
کے راسے تھے گھبر اوے جس کا عشق
خلاصہ ہویا کرے
بھوجن بھجن اکنت عشق بھی گپت
تماشا ہوا کرے
جو گپتی کرے پریم واہ عاشق ادھ بسوا
سا ہویا کرے
بڑے بڑے بلوان ہار گے ٹھگی چوری
جاری کرے کے
بھوت گھنے گئے پہنچ بہشت مینھ عشق
محبت یاری کر کے

سانگ کی دنیا میں عبدالعزیز عرف گیانی میرچاندی والاپنڈت لکھمی چند، سانگے باہمن، باجے نائی، دھنپت میر، میربندے علی بلھا والے، جھنڈومیر، میر بندے علی مہی اور میرباگڑی کے نام قابل ذکر ہیں۔

ہریانوی زبان میں شاعری کا یہ سلسلہ متذکرہ بالا شعراءپر ہی اختتام پذیر نہیں ہوا بلکہ قیام پاکستان کے بعد بھی ہریانوی شاعری میں جدتِ زمانہ کی بدولت موضوعات اور اصناف کی بوقلمونی نظر آتی ہے۔ لیکن ساٹھ اور ستر کی دہائی میں ان شعراءکے ہاں مکمل خاموشی نظر آتی ہے۔ اس خاموشی کے جو بھی اسباب

رہے ہیں یہ ایک الگ موضوع ہے۔ لیکن اَسی کی دہائی میں ہریانوی شعراء کے ہاں شعری ہیت کے اعتبار سے جو جدت نظر آتی ہے اس سے ہریانوی شاعری میں جان ڈال دی۔ زمانہ جدید میں ہریانوی شعراء نے رچنا (غزل)، نظم، قطعہ، گیت اور دوہا لکھ کر اپنی الگ پہچان قائم کی۔ سب سے زیادہ رجحان پانے والی صنف رچنا لکھنے کے لیے ہریانوی شعراء انہیں اصولوں کو مدنظر رکھتے ہیں جو اُردو ادب میں غزل لکھتے وقت شعراء کے پیش ِنظر ہوتے ہیں۔ ایک خصوصیت جو ہریانوی رچنا کو موضوعات کے اعتبار سے ممتاز کرتی ہے۔ اس صنف میں استعمال ہونے والی جزئیات نگاری ہے یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہریانوی رچنا میں ہر طرح کا مضمون باندھنے کی اہلیت موجود ہے، لیکن یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ ہر زبان کی شاعری اپنے ابتدائی دور میں بلکہ طویل عرصہ تک اپنے زمانے کے موضوعات سے عبارت ہوتی ہے اس میں سادگی اور ابتدائی کوشش تو نظر آتی ہے لیکن ہم اس شاعری کو اعلیٰ ادبی معیار پر پرکھنے کی غلطی نہیں کر سکتے۔

ہریانوی شاعری زمانہ قدیم (ماقبل قیام پاکستان) کا تخلیقی سفر اعتماد سے طے کرتے ہوئے ہر اول دستے سمیت نئے چہروں کو متعارف کراتے ہوئے اکیسویں صدی میں عزت و وقار کے ساتھ داخل ہوئی جن میں سے چند لوگوں نے ہریانوی کے استاد شعراء کی حیثیت سے بھی خوب داد سمیٹی۔ ان بڑے ناموں میں نوشاد قاصر، اختر دولتاوی، لیاقت علی آزاد، رانا عبدالحکیم بٹیالوی، اصغر ترمذی اور منیر ظفر زیدی کے نام شامل ہیں۔ ان شعراء نے تسلسل کے ساتھ ہریانوی شاعری کر کے اس کے ساتھ اپنے ذہنی، قلبی اور فنی لگاؤ کا ثبوت دیا جو اس بات کا مظہر ہے کہ ہریانوی شاعری کا سفر رواں دواں ہے، جوں جوں سوشل میڈیا

نے ترقی کی ہریانوی شعراءکی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوا، موجودہ صورتحال یہ ہے کہ پاکستان میں لاتعداد یوٹیوب ہریانوی چینل کام کر رہے ہیں جہاں ہریانوی مشاعروں کا انعقاد کے ساتھ ساتھ شعراء کے انٹرویوز کے ذریعے بھی اس زبان کے بولنے والے لوگوں کو زبان اور ہریانوی شاعری سے متعلق آگاہی دی جاتی ہے۔ جس کی بدولت ہریانوی شاعری کو عوام میں عام مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ ہریانوی زبان کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلباء میں بھی اس قدر مقبول ہو چکی ہے کہ اس زبان پر ایم۔ اے، ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح کے تحقیقی مقالے لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں۔ ہریانوی ادبی میگزین ''نوھرہ'' اور اس کے علاوہ متعدد تخلیقی کتب منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ ہریانوی زبان کے مختلف موضوعات پر ادبی مجلوں میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ہریانوی شاعری نئے امکانات کی طرف پیش قدمی بھی کرتی ہے لہٰذا الفاظ اور معانی کا ایک نیا آہنگ ساتھ مسکراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ہریانوی شعراء کے ہاں فکر کی گہرائی کو آنکھ کی بصیرت سے دیکھنے کا سلیقہ اور اسے اپنے کلام میں پرو دینے کا ہنر موجود ہے۔ یہ شعراءفن کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہیں جو مہاتما بدھ کی طرح مراقبے یا گیان میں ڈوبنا جانتے ہیں۔ پروفیسر انور جمال ہریانوی شاعر محمد اختر کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک ہریانوی زبان کھڑی بولی ہونے کی وجہ سے اپنے خدوخال کے اعتبار سے مادر اُردو کے مقام پر فائز ہے۔ آج جب کہ زبانیں الیکٹرانک میڈیا کی جلوہ سامانیوں کی زد میں ہیں ہریانوی زبان میں نوم چومسکی کی طرح تحلیلِ نفس کی ضروت ہے۔ اس وقت ہمارے ہاں جو شعراءہریانوی میں طبع آزمائی کر رہے ہیں

ان میں رانا اختر کا نام قابل توجہ ہے۔ رانا اختر کی شاعری کا سارا مزاج نغمگی سے لبریز ہے، ایک خاص ترنم ہے جو آبشار کی پھوارا کی طرح قاری کے ذہن کی روح کو وجد آفرین کیفیت سے دوچار کرتا ہے''۔

زبان کے بولنے والے تعداد میں جس قدر زیادہ ہوں گے زبان اتنی ہی تیزی سے ترقی کرتی ہے اور جب زبان پھلنے پھولنے لگے تو کنواری دھرتی کے اندر چھپے بیج کی مانند یہ زبان اپنا زور لگاتی ہے اور زور آور درخت کی طرح زمین سے پھوٹ نکلتی ہے۔ زیر نظر ''ہریانوی شاعری کا انتخاب'' ایسی ہی زمین میں پنپنے والا پودا ہے اور اس شاعری کے لکھنے والوں کی جڑیں اسی سرزمین سے جڑی ہیں جن کے ہاں کلاسیکیت بھی ہے اور رومانویت بھی، ان شعراء کی شاعری اپنی تہذیب و تمدن سے جڑے رہ کر آزاد فضاؤں میں سانسیں لینے کے سہانے خواب دکھاتی ہے۔ ان شعراء کی شاعری کسی خاص زمین کی قیدی نہیں ہے بلکہ یہ اپنے چاروں طرف سے آنے والی خوشبوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر قاری کو رنگ رنگ کی تخیلاتی دنیا کی سیر کرواتی ہے۔ پرانے لفظوں میں نئے تیوریبان کر دینے کا ہنر ہریانوی شعراء کی شاعری کو زیادہ پر اثر بنا دیتا ہے۔ وقار شاکر کی شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے راؤ شاہد لکھتے ہیں:

''محض چند سال پہلے ہریانوی بولی کے چند دانشوروں اور خیر خواہوں نے دوبارہ سے اس زبان کے احیاء کا بیڑا اٹھایا تو حیرت انگیز طور پر یہ بولی اپنی رعنائی، خوبصورتی، بلند پروازی کے اس مقام پر جاتی نظر آرہی ہے جس کی یہ بجا طور پ مستحق ہے۔ نوجوان شاعر وقار شاکر اس خواب کی تعبیر میں جو ہریانوی بولی کے درست مقام کے لیے دیکھا گیا اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہریانوی بولی پچھلے ستر

سالوں میں بھوک پیاس سے نڈھال تھی اس کی آبیاری نہیں ہو رہی تھی لیکن اب اس بولی کے رکھوالوں، باغبانوں اور محبت کرنے والوں نے ستر سال کی بانجھ دھرتی کو اپنے خوبصورت خیالات اور جدید بلند افکار سے سیراب کرنا شروع کیا ہے"۔

شاعری انسانی احساسات اور جذبات کا مرقع ہوتا ہے اس کے ذریعے کسی بھی قوم یا طبقے کے مزاج کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کسی معاشرے کے داخلی روپ اور خارجی خدوخال کو شاعری بہتر انداز میں عیاں کرتی ہے کہ تاریخ کا ایک بڑا حصہ فنونِ لطیفہ سے متعلق بھی ہوتا ہے۔ جس میں رقص، مصوری، موسیقی، فن تعمیر اور خاص طور پر فن شاعری بھی شامل ہوتا ہے۔ شاعری اگرچہ کسی واحد شخص کا کلام ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ کلام کسی فرد کے شعور کی نمائندگی کے بجائے اجتماعی شعور کی حامل ہوتی ہے۔ ہم عصر شعراء بھی اپنی انفرادی حیثیت رکھتے ہیں ایک ہی وقت میں لکھنے والے لوگوں کی سوچ و فکر اور تخیلاتی اُپچ ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اس کے باوجود ان تمام لوگوں کے ہاں ایک اجتماعی سوچ بھی ہوتی ہے جب ہم شعر و ادب کا مطالعہ کرتے ہیں تو انفرادی حیثیت کے زاویے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اردگرد کا ماحول کسی شاعر پر کس طرح اثر انداز ہوا پھر ان اثرات کو بیان کرتے وقت اس شاعر نے لفظوں کا چناؤ اور بحروں کا انتخاب کیسے کیا، ردیف اور قافیہ کا استعمال کس قدر سلیقہ مندی سے کیا اور جو بات وہ اپنے کلام میں کہہ رہا ہے اُس کا اس خاص دور اور مختصر زمانے سے کیا تعلق ہے اور اس تعلق کو بیان کرنے میں وہ کس حد تک کامیاب رہا۔ شعراء کا مطالعہ اسی نقطہ نظر سے کیا جانا چاہیے۔ ہریانوی شعراء بھی

اپنی شاعری میں جزئیات سے کام لیتے ہوئے انسانی مزاج اور فنی نقطۂ نظر میں اپنی انفرادی حیثیت کی نمائندگی کرتے ہیں جس کی متحرک تصویر ان کے کلام میں ملتی ہے۔ لسانی تشکیلات کو بخوبی اپنے کلام میں سموتے ہوئے یہ شعراء رچنا اور گیت کے میدان میں تردّد سے کام نہیں لیتے۔ ہریانوی شاعر وکیل انجم کی شاعری کی لسانی اعتبار سے مطالعہ کرتے ہوئے سجاد جہانیہ قم طراز ہیں:

"جدید دور کے تقاضے اور ٹیکنالوجی کی بدلتی ہوئی دنیا میں شاعر کو لہو کو یاد کر رہا ہے اور گڑ کے رالے کی یاد دہانی کروا رہا ہے، جیسے گڑ کا "رالا"، "چیڑھا" ہو جاتا ہے ایسے ہی وہ عشق جیسے نفیس جذبہ کو بھی جان لیوا سمجھ رہا ہے۔ ایسے ہی بہت سارے الفاظ جو خالص ہریانوی معنویات سموئے ہوئے ہیں جو تہہ داری کے ساتھ ساتھ کلاسیک ہیں جیسا کہ "بوڑھ بوڑھ کے، کڑوا مانس، بیند بیند، چالدا پاٹدا، بیچ بگڑ، پہلی، نرملتا، ساکاں کا کھوٹا، کاکارولی اور بہت سے ایسے لفظ ہیں جو ہمیں اُردو شاعری میں نہیں ملتے۔ وکیل انجم کی شاعری کی روانی بتاتی ہے کہ بنیادی طور پر وہ گیت نگاری کے فن سے بخوبی آشنا ہیں، لیکن غزل جیسے رچنا کا نام دیا جاتا ہے اس میں بھی ان کی پختگی کمال ہے"۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اس انتخاب سے ہریانوی تہذیب و تمدن اور ہریانوی زبان سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا برسوں پرانا رشتہ جڑا ہے جس سے دامن چھڑانا ممکن نہیں ہے کہ اس شاعری میں غم کی داستان بھی ہے، احساس کی ترجمان بھی صدیوں پرانا تہذیبی و لسانی رچاؤ بھی ہے اور دورِ حاضر کی جدت طرازی بھی۔ زیر مطالعہ کتاب میں آپ کو زیادہ تر وہ نظمیں، رچنا اور گیت ملیں گے جو ان شعراء کا وہ نمائندہ کلام ہے جو انہوں نے خوشی اور غم کے موقع پر

آزادی کی لڑائی کے دوران اپنی نجی زندگی کی کڑی گھڑیوں میں مل جل کر یا تن تنہا گایا یا گنگنایا ہے۔ یہی امر ان کے زندگی سے جڑے ہونے کی دلیل ہے اور اس انتخاب کے ذریعے ہم اسی سلسلے کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ ہریانوی زبان کے دامن میں بھی موتیوں کی سی ڈلک اور ستاروں جیسی چمک کسی پہاڑی ندی کے پانی کی سی روانی آگے بڑھنے کی تمنا ، پھیلاؤ اور گہرائی موجود ہے۔

اس انتخاب میں ستر کی دہائی سے ہریانوی شاعری کا آغاز کرنے والے سترہ (17) شعراء کا کلام موجود ہے، جہاں تک ممکن ہو سکا ہم نے کوشش کی ہے کہ ایسے شعراء کو مجموعے میں جگہ دیں جنہوں نے ہریانوی زبان میں شاعری کو نا صرف اپنایا بلکہ قیام پاکستان کے بعد جدید ہریانوی شاعری کی روایت میں انہوں نے اہم کردار بھی ادا کیا۔ جدید دور کا انسان اپنے سے باہر ہی نہیں اپنے باطن میں بھی ایک زندگی بسر کر رہا ہے یہ اندر کی زندگی ہی اس کے تحفظ کی ضامن ہے جو اسے زندگی کا فلسفہ بھی عطا کرتی ہے اور فکر کے چراغ بھی روشن کرتی ہے۔ لہٰذا فکری زندگی اور احساسات و جذبات کی توانائی کے لئے شاعری ہمیشہ سے انسان کے لیے کتھارسس کا ذریعہ رہی ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ اس ہریانوی شاعری کے انتخاب کے ذریعے دلوں کو جوڑنے والی پاک ہریانوی زبان کی طرف لکھنے اور پڑھنے والوں کا دھیان جائے گا جو ہریانوی زبان اور ہریانوی شاعری کے سفر میں سنگ میل ثابت ہوگا۔

ہریانوی زبان وادب

احمد سجاد بابر

یہ ایک لسانی حقیقت ہے کہ ہر زبان اولاً محض ایک "بولی"(Dialect) ہوتی ہے جس کا دائرہ اثر ورسوخ ایک چھوٹے سے علاقے یا خطے تک محدود ہوتا ہے۔ جب یہی بولی بعض ناگزیر اسباب اور تقاضوں کے تحت جن میں سیاسی، سماجی اور تہذیبی و ثقافتی تقاضے شامل ہیں، اہم اور مقتدر بن جاتی ہے اور اس کا چلن عام ہو جاتا ہے یہ اپنی علاقائی حد بندیوں کو توڑ کر دور دراز کے علاقوں میں اپنا سکہ جمانے لگتی ہے تو "زبان" کہلاتی ہے۔ پھر اس کا استعمال ادبی نیز دیگر مقاصد کے لیے ہونے لگتا ہے اور اس کی معیار بندی (Standardisation) بھی عمل میں آتی ہے جس سے یہ ترقی یافتہ زبان کے مرتبے تک پہنچ جاتی ہے۔ ہریانوی کا لفظ صوبہ "ہریانہ" کی نسبت سے رائج ہوا جو کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اسے یکم نومبر 1966ء کو صوبے کا درجہ ملا اس سے پہلے یہ مشرقی پنجاب کا حصہ تھا۔ 1912ء میں انگریزوں نے پنجاب کے 29 اضلاع بنا کر ان کو پانچ ڈویژنوں میں تقسیم کر دیا، ہریانہ کے اضلاع (گڑگاؤں، رہتک، حصار، کرنال، انبالہ، شملہ) کو ملا کر ڈویژن بنا دیا، جھجر اور سرسہ کے اضلاع ختم کر کے انہیں رہتک اور حصار میں بانٹ دیا)رہتک 1824 میں ضلع بنا تھا۔ اس وقت ہریانہ کے 22 اضلاع اور 93 تحصیل ہیں (پہلے اکیس اضلاع تھے مگر بعد میں چرخی دادری کے ضلع بننے سے 22 ہو گئے)، گھگر ندی اسے پنجاب سے الگ کرتی ہے۔ اگرچہ لسانی اعتبار سے دہلی ہریانوی بولی کی حدود میں واقع ہے، لیکن ہریانوی بنیادی طور دہلی کے شمال مغربی علاقے کی بولی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسعود حسین خاں قدیم اُردو کی تشکیل میں کھڑی بولی کے روپ ہریانوی کا بھی بتاتے ہیں۔ کھڑی بولی یا ہریانوی کا براہِ راست تعلق شور سینی اپ بھرنش یا مغربی اپ بھرنس ☆(اپ بھرنش کی ایک شاخ جو مغربی علاقے کی زبان تھی، یعنی مغربی ہندی) سے ہے جو وسطی ہند آریائی دور (500 قبلِ مسیح تا1000 سنہِ عیسوی) کی آخری یاد گار ہے۔(آریا کے آنے کے بعد پراکرت نے جنم لیا، جس کا مطلب ہے پرائے لوگوں کی زبان، آریہ اسے جاہل لوگوں کی زبان کہتے تھے،اپ بھرنش عوامی زبان تھی،اس میں گیت لکھے جاتے تھے، یہ پراکرت کی ترقی یافتہ شکل تھی،) شور سینی اپ بھرنش (مغربی اپ بھرنش) بشمولِ دہلی اور پنجاب شمالی ہندوستان کے ایک وسیع علاقے میں رائج تھی۔ 1000 سنہِ عیسوی تک پہنچتے پہنچتے اس نے دم توڑ دیا اور اس کے بطن سے متعدد بولیاں معرضِ وجود میں جو آئیں جو انہیں علاقوں میں رائج ہوئیں جہاں شور سینی اپ بھرنش بولی جاتی تھی۔ انہیں بولیوں میں سے ایک بولی "کھڑی بولی، ہریانوی" کہلائی جس کا ارتقاء دہلی اور دہلی کے شمالی مشرقی علاقے یعنی مغربی اتر پردیس (مغربی یوپی) میں ہوا جس نے بعد میں نکھر کر ایک نیا روپ اختیار کر لیا۔ کھڑی بولی کا یہی نیا اور نکھرا ہوا روپ "ہندی" اور "ہندوی" کہلایا جو ہماری آج کی "اُردو" کے قدیم نام ہیں۔اُردو کی تشکیل ہریانوی کی گود میں ہوئی،اس نظریے کی تائید مسعود حسین خان نے بھی کی۔ مسعود حسین خاں کے نظریہ سے کئی ماہر لسانیات نے اتفاق کیا۔ ان میں سہیل بخاری، گیان چند جین، مرزا خلیل احمد بیگ اور انصار اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ان تمام ماہرین نے اُردو اور کھڑی بولی کے رشتہ کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔

ہریانہ میں وہ حصہ جو ضلع کرنال اور دہلی پر مشتمل ہے اور جمنا کے مشرقی کنارے پر واقع ہے "کھادر" کہلاتا ہے جبکہ باقی علاقہ جس میں رہتک، نصف دادری، ریاست نابھ، سرسہ، حصار، بھوانی وغیرہ پر مشتمل ہے "بانگر یا باگڑ" کہلاتا ہے۔ تمام

علاقے میں ایک ہی زبان ذرا سے تغیر کے ساتھ بولی جاتی تھی مگر وہ ایک علاقے میں "ہریانی" کہلائی دوسرے میں "بانگڑ/بانگرو" کہلائی۔ ہریانوی، جاٹو، بانگرو (بانگڑو)، کھڑی بولی اصل میں ایک ہی زبان کے نام ہیں۔ اسی طرح میوات میں گڑگاؤں اور فرید آباد کے اضلاع شامل تھے۔ کرنال، پنکچولہ، انبالہ، کرک شیتر کے اضلاع مل کر نردک کا علاقہ بناتے تھے۔ کھڑی بولی یا ہریانوی "الف" پر ختم ہوتی ہے جبکہ برج بھاشا کے زیادہ تر الفاظ "واؤ" پر ختم ہوتے ہیں، جیسے "بڑو، آئیو، گئیو وغیرہ" اسی نسبت سے اسے پڑی بولی بھی کہتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا، مرتبہ سید قاسم محمود، میں ہریانوی زبان کے بارے میں کچھ یوں درج ہے۔ "ایک زبان جو پنجاب کے اضلاع انبالہ، کرنال، رہتک، حصار، گوڑگاؤں اور ریاست جیند میں بولی جاتی ہے۔" اسی طرح معروف محقق اور ماہرِ لسانیات حافظ محمود شیرانی اپنی تصنیف "پنجاب میں اُردو" میں ہریانی زبان کی لسانی حدود کا تعین یوں کرتے ہیں۔ "ہریانوی زبان کی حدود میں ضلع حصار، رہتک، ہانسی، بھوانی، دادری، ریاست دوجانہ، میم، کلانور، کرنال، ریاست نابھہ، ریاست پٹیالہ کا کچھ حصہ وغیرہ شامل تھے۔ ضلع کرنال کے علاقہ پر جمنا پار کے اضلاع سہارن پور اور میرٹھ کا لہجہ غالب تھا جو اُردو کے قریب تر تھا، اسی طرح ضلع گڑگاؤں کی سرحد میوات سے ملتی تھی اور خود گوڑگاؤں میں میواتی بھی آباد تھے، اسی وجہ سے یہاں ہریانوی پر میواتی کے اثرات غالب تھے۔ کاہنور اور نگانہ، پر بھی ان کے لہجوں میں فرق تھا، تحصیل ہانسی کے علاقوں کی زبان ٹھوس ہریانی تھی۔" گیریرسن نے اپنے لسانی سروے میں مغربی ہندی کی پانچ بولیاں گنوائیں، جن میں سے ہریانی ایک ہے، جسے بانگڑو یا جاٹو کا نام بھی دیا۔ لیکن اگر تمام زبانوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ برج بھاشا، کھڑی بولی، ہریانوی، ایک ہی زبان کے نام ہیں۔ انبالہ اور پٹیالہ کی کھڑی بولی کے لہجہ میں پنجابی کی جھلک ہے کیونکہ ان اضلاع سے پنجاب کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ ہریانوی کے چند قواعد:

* ہریانوی میں نون غنہ کااستعمال زیادہ ہوتا ہے۔ جیسے "سے کے بجائے سیں" اسی طرح "تُو کی بجائے توں" وغیرہ۔

* ہریانوی میں جمع متکلم "ہم" آتا ہے۔ اسی طرح اشارہ کی ضمیریں ہریانی میں "یو، اس" رائج ہیں۔ اگر شیخ محبوب عالم کے محشر نامہ کو دیکھیں تو اشارہ کی ضمیریں "یہ، وے، اس، ان، یو، تیں، توں" ملتی ہیں۔ ہریانوی میں "نے" علامتِ فاعل بھی ہے اور علامتِ مفعول بھی جب کہ اُردو میں یہ صرف علامتِ فاعل ہے وہ بھی صرف "متعدی" افعال جملہ دیکھئے

* ہریانوی میں ڑ کی جگہ ڈ کا استعمال زیادہ ہے۔۔ ملاوجہی نے رس اور قطب مشتری میں پڑھنے کی ہ پڈھنے، چھوڑو کی جگہ چھوڈ، بڑا کو بڈا، چڑھنا کو چڈھنا لکھا ہے۔

* ہریانوی میں جمع بنانے کے لئے "وں" کی بجائے "آں" استعمال کرتے ہیں جیسے کتاب سے کتابوں کی بجائے کتاباں، ٹکر سے ٹکروں کی بجائے ٹکراں، غریباں، راتاں، باتاں، لاتاں وہ غیرہ۔ ض مطلق بنانے کے لئے الف کی بجائے "یا" لگاتے ہیں۔ جیسے مارنا سے مارا کی بجائے ماریا، کہنا سے کہا کی کہیا، چلانا سے چلا کی بجائے چالیا وغیرہ۔

* ہریانوی میں الفاظ کو مشدد کر دیا جاتا ہے جیسے سونا کی جگہ سونا اور سُونا کی بجائے سُنا، الاڈو کی بجائے لاڈو، شادی کی بجائے شادی، گوڈا کی بجائے "گوڈا" وغیرہ۔

* ہریانوی میں درمیان کی ہ گرادیتے ہیں اور یہی کام کھڑی بولی کی نشانی ہے جیسے نہیں کی جگہ نئیں اور کہاں کی ہ کا غیر واضح بولنا وغیرہ۔

*امدادی فعال

ہریانوی کے امدادی افعال "سوں، سے، سیں، ہوں" ہیں مثال کے طور پر میں جاؤں، تیں جاوے سے، کٹھے جاوے سے ؟ وغیرہ

*ہریانوی میں "ش" کی بجائے "س" عام بولا جاتاہے اور "خ" کی جگہ "کھ" ادا کیا جاتا ہے۔ جیسے شربت کی بجائے سربت، شمش الدین کی بجائے سمس الدین، خاص کی بجائے "کھاس" وغیرہ۔ "گنگ کوی بھاٹ" نے اپنی کتاب "چد چھندر برنن کی مہیما" میں لکھا۔ "اکبر ساہ جی عام کھاس میں تکھت اوپر براجمان ہو رہے، اور عام کھاس بھرنے لگانے ہے جسے میں تمام اُمراء آئے،۔ کورنش بجائے، جہار کر کے اپنی اپنی بیٹھاک پر بیٹھ جایا کریں"۔ مندرجہ بالا مثال واضع کرتے ہے کہ "شاہ" کی بجائے "ساہ"، "خاص" کو "کھاس" اور "تخت" کو "تکھت" لکھا گیاہے۔اسی طرح "ز،ظ،ذ، کی بجائے "ج" ادا کیا جاتاہے۔ شیخ عبداللہ انصاری نے "فقہ ہندی" 1074ء میں لکھی،اس میں بُرائی کی بجائے "بورائی"،رکھے کی جگہ "راکھے"،ہڈی کی جگہ "ہاڈ" استعمال کیا۔یہ 1826ء کا عرصہ تھا جب ہریانہ میں خواتین کی تہجد میں کئے جانے والے ایک مناجات تذکرہ ہے جس کے بول یہ ہیں۔

جنت میں ایک روکھ سے جس کا ناؤں رمجان

اُس کے پتے کتے ؟؟؟ جتا ملک جہان

اُن پتیاں میں کے کے لکھیا۔۔۔۔ربی اللہ سبحان !!

اس مناجات میں دیکھا جاسکتاہے کہ "رمضان" کی جائے "رمجان" ادا کیا گیا ہے۔

* ہریانوی کے افعال اور الفاظ میں بہت تغیر پایا جاتا ہے۔اس میں ایک ایک لفظ کے کئی متبادل موجود ہیں۔ مثال کے طور پر اُردو لفظ "کہاں" کو مندرجہ ذیل الفاظ سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ کت، کتھوڑ، کٹھے، کڑے، کنگھے، کٹھیاں، کتھوڑیاں

* اُردو کے کئی حروفِ تہجی ہریانوی میں دکھائی نہیں دیتے جیسے کہ "خ، ز، ذ، ظ، ف، ش"۔ کہ مسٹر ای جوزف نے اس زبان کے ایک فرہنگ، جنرل ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال سے 1910 میں شائع کی۔ سراج الدین آرزو کی "غرائبا اللغات" جو کہ اصل میں عبدالوسع ہانسوی کی "غرائب اللغات" کی زیادہ مستند، تصیح شدہ شکل تھی، اس زبان کی پہلی لغت کہی جا سکتی ہے۔ اس لغت میں جابجا "ڑ" کی بجائے "ڈ" کا استعمال نظر آتا ہے۔ "ہانسوی" نے "ساڑھوں" کو "ساڈھو"، اکڑھی کو کڈھی"، "جھاڑ" کو "جھاڈ"، "مسوڑھے" کو "مسوڈھا" لکھا ہے جو ہریانوی کا لہجہ ہے۔ س طرح ہ شیخ محبوب عالم کی مندرجہ ذیل تصانیف اہمیت کی حامل ہیں۔ 1۔ محشر نامہ 2۔ مسائلِ ہندی 3۔ درد نامہ 4۔ دھیر نامہ بی بی فاطمہ خاتون محشر نامہ میں "لاگا، ماٹی، راکھوں، ہاڈ" جیسے الفاظ عام ہیں۔ اسی طرح اکرم رہتکی کی تصنیف "تیرہ ماسہ"، شاہ عبدالحکیم کی "د خواب نامہ پیغمبر" اور "جہیز نامہ"، غلام حسین چشتی کی "راگ مالا"، شاہ غلام حیدر جیلانی رہتکی کی "شرح فارسی چوپائیہا" اہم تصانیف درج ذیل ہیں۔ 1۔ آخری گیت 2، بلبل باغِ محمد 3،۔ رنگیلی 4، عقائدِ عظیم 5۔ نصیحت نامہ 6۔ وصیت نامہ 7۔ قصیدہ امالی کا ہریانوی ترجمہ و تشریح 8۔ فتاویٰ محمد 9۔ رسالہ مرضانی 10۔ رسالہ برق لامع 11۔ رسالہ درو افضل گرونانک میں کلام میں پنجابی کے ساتھ ہریانوی یعنی کھڑی بولی کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ گرو گرنتھ صاحب میں عربی، فارسی الفاظ بھی بکثرت موجود ہیں اور ان میں زبان کی شکل و صورت ملتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے نظریات کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اس زبان کا سہارا بھی لیا ہے۔ گرو گرنتھ صاحب میں گرونانک نے پیر

پیکامبر (پیغامبر)، سہید (شہید)، سیکھ مسائک (شیخ مشائخ) کا جی (قاضی)، درورویس رسید (درویش رشید)، مسیت مسجد (سدک)(صدق)، ھک ھلال (حق حلال) کران (قرآن) سرم (شرم) روجہ (روزہ) کابا (کعبہ)، نواج (نماز)، تسبیہہ (تسبیح) جیسے الفاظاستعمال کئے جس سے ان کے کلام میں ہریانوی رنگ جھلکتا ہے۔ منشی فیض الدین اپنی تصنف "بزمِ آخر" مطبوع مجلس ترقی ادب لاہور، میں لکھتے ہیں "اچھی، یہ لال کپڑے تو نادر شاہ کا حکم ہے مگر کم بخت یہ مہندی اور مسی کی دھڑی جمائے بغیر کیاان سرتی تھی"" "سری" ہریانوی لفظ ہے۔

پیارے لال آشوب اپنی کتاب "رسوم ہند" مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور میں لکھتے ہیں۔ "اس کے تھوڑی دیر بعد گیانی چند نے کہا، لے چوہدری، چل بنگلے میں، سب ہماری باٹ دیکھتے ہوں گے"۔ پیارے لعل ایک جگہ لکھتے ہیں "میں تو گھنے دن سے تیری باٹ دیکھ رہی تھی، اب مجھے مر جانے کا کچھ فکر نہیں" فف رسومِ ہند کا ہی ایک اور جملہ دیکھئے، گیسو دراز "چھوری، اُٹھ، آگ بال کر روٹی پولے" خواجہ بندہ نواز، گیسو دراز "معراج العاشقین" میں لکھتے ہیں۔ اے محمد پیو اور تھاری امت کو بھی پیلاؤ معروف ماہرِ لسانیت "پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی" نے اپنی تصنیف "کیفیہ" میں ص 19 پر ایک خط درج کیا ہے جو کہ مہارانی پرتھا بائی نے اپنے بیٹے رتن سنگھ کو ترائن کی آخری لڑائی 1192ء کے بعد لکھا اور چتوڑ گڑھ سے بھیجا گیا، یہ پرتھوی راج کی موت کے متعلق ہے۔ اس خط میں "راکھنا" پاچھے، مھارا، تھاں سو، کدی" کے الفاظ ہریانوی رنگ کو ظاہر کرتے ہیں۔ کرنل مہدی حسن راؤ اپنی تصنیف "گاؤں کی گوری" میں لکھتے ہیں کہ "بیر، بانیا، پولیس، ڈریور کسے کے پیارے "راؤ رحمت علی مرحوم کی ہریانی سے محبت کسی سے پوشیدہ نہیں، ہریانوی کی ایک افسانوی پر مبنی واحد تصنیف "مراڑ" انہی کی تخلیق ہے، جس کی ایک ایک سطر ہریانوی رنگ میں ڈھلی ہے، اس میں گیارہ افسانے ان کے اپنے لکھے جب

کہ تین ترجمہ شدہ ہیں۔ اسی طرح والد محترم، کنور نثار احمد مرحوم کی "انمول رتن" ہریانوی دوہوں اور ضرب المثال پر مشتمل ہے، ان کی ایک اور تخلیق "پھر ساون آیا رے" ساون کے موسم میں ہریانوی رسوم اور ہریانوی گیتوں پر مشتمل ہے ڈانوراں ضلع لودہاں سے کشور لودھراں شاعری پر اپنا مجموعہ "بڑھے ہوگے ہون تے پہلے" لا چکے ہین، ڈانوراں کے ہی ایک اور سپوت "صابر علی صابر" NCBA بہاولپور سے "اُردو دوہانگاری اور ہریانوی کا لفظی اشتراک" کے عنوان پر ایم فل کا تھیسس مکمل کر چکے ہیں۔ دوہانگاری میں ہریانوی رنگ کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے، دوہا ہریانوی کے بغیر ادھورا اور پھیکا ہے جس کا ثبوت ذیل میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اے بھین ترا جھلسا چہرہ ان کے رنگ
بڑھائے
اے بھین تری اپنی عورت دوجے کے
گھر جائے

(عالی)

بڑھ جائے جو باپ سے، ایسا پوت سپوت
بڑے باپ کا لاڈلا، رہے اُوت کا اُوت

(خواجہ دل محمد

دل)

ہر ہر سانس میں جیون ڈوری چھوٹی ہوتی
جائے
مانس کتنا بھولا جناور، کل کی آس لگائے

(پرتوروہیلہ۔۔رین اجیارا)

ماٹی کاتوجایاپالا،ماٹی تیری ذات

مٹھی بھرماٹی کےپُتلے، تیری کیااوقات

(سمپورن، مشتاق عاجز، مثال پبلشرز، فیصل آباد،

2011ء،ص33)

تنکڑی تولی لالچ کی اور جھوٹ کے رکھے

باٹ

لالہ جی پرلوک سدھارے تالالاگاگھاٹ

لوبھ جگت کی پھرے اڑائے جانے کت

کت اور

جت جائے جت چِتنا رکھنا راہ تکت ہے

گور

بیٹھیں،دم لیں چارپل، سمے کہاں ججمان

جیون بھاری قرض ہے، سانس سانس

بھگتان

(ظفر گورکھپوری۔۔۔ مٹی کو ہنسانا

ہے)

میں گیلی لکڑی سکھی، پوچھ نہ میرے

بھاگ

بھیتر بھیتر جل مروں، دھواں دکھے نہ
آگ
پوری، حلوہ، گلگلے دیوے تو پکوان
کھانے میرے دیس کے اللہ تیری شان

(پریم رس، طاہر سعید ہارون، ڈاکٹر، ص40/39)

سانکل خود کھل جائے گی، میرا نام تو لے
میرا نام ہے ایکتا، مجھ سے کام تو لے

(اُردو دوہے، ایک تنقیدی جائزہ، غازی پوری، طہیر، ایم آر آفیسٹ پرنٹرز دہلی۔2005)

دیوے سے بل اٹھیں سیں، روشن
ہووے شام
دل کے بھیتر چاندنا، چھوری تیرا نام

(احمد سجاد بابابر، ماہنامہ الحمراء لاہور، جون 2017ء)

اِماں تارو گلگلے، مینہ کا چھایا زور
گھگی بیٹھی آلھنے، جنگل ناچے مور

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہریانوی زبان کے مفصل قواعد، املا، اصول و ضوابط ضبطِ تحریر میں لائے جائیں، اس کا لائریچر شائع کیا جائے اور یہ ہنگامی بنیادوں پر کیا جائے تاکہ سرکاری سطح پر قبولیت حاصل ہو۔

ہریانوی نثر کا تخلیقی سرمایہ، قیام پاکستان کے بعد

احمد سجاد بابر

ہریانوی زبان کا نام کیو کر پڑا؟ اس کا ناتا جس علاقے سے تھا، جِت جِت اس نے سودھی لیئی، وا علاقہ بینہ آن پہ ہرا ہرا ہو جے تھا، ہر پا سے سبزہ بکھر جے ئی تھا، ماٹی پھل، پھول ار پات میں بدل جے تھی، اس ماری اس علاقہ کی زبان نے "ہریانوی" کہن لاگے، جو آج مھارا موضوع سے۔ [1] ہریانوی زبان نے ملتان میں "رہتکی" بھی کہویں سیں ار اس کی پرانی سکل برج بھاشا سے جس نے بھاسا نام بھی دیا جاوے سے۔ گھنے پاچھے بِگ جو تو ہندوستان میں صرف برج بھاشاءِ بولی جاوے تھی جو ایب دہلی کے جنوب مشرقی علاقے متھرا، آگرہ وغیرہ میں بولی جاوے سے [2] کھڑی بولی یعنی ہریانوی "الف" پر ختم ہوندی آئی جِد کہ برج بھاشا کے گھنکرے اکھر ار شبد "واؤ" پر ختم ہووے سیں، جیو کر، آئیو، وغیرہ" اسے ناطہ سے اس نے پڑی بولی بھی کہویں سیں۔ [3]

مشہور تاریخ دان، اتہاس کار، بولیاں کا جانئیاں، حافظ محمود شیرانی اپنی کتاب "پنجاب میں اُردو" میں ہریانی زبان کے چگر دے لیک نیو کھینچے سیں۔

"ہریانی زبان مشرق میں اُردو، شمال میں اُردو اور پنجابی، مغرب میں پنجابی اور راجستھانی اور جنوب میں راجستھانی زبانوں سے محسور ہے جو دادری، فتح آباد، رہتک، ہانسی، حصار، مہم، گوہانہ، نارنول وغیرہ میں کسی قدر اختلاف سے بولی جاتی ہے، اس میں سرزمین جھجھر کو بھی شامل سمجھنا چاہیے" [4] انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا، کٹھا کریا ہویا، سید قاسم محمود، میں ہریانوی زبان کے بارے میں کچھ نیوں لکھیا سے۔

"ایک زبان جو پنجاب کے اضلاع انبالہ، کرنال، رہتک، حصار، گوڑگاؤں اور ریاست جیند میں بولی جاتی ہے"۔ [5]

اپنی کتاب "ہیرے اور کنکر" میں راؤ یاسین قائم خانی کی بات کچھ نیوں دِکھی سے۔

"ہریانی زبان کی حدود میں ضلع حصار، رہتک، ہانسی، بھوانی، دادری، ریاست دوجانہ، میہم، کلانور، کرنال، ریاست نابھہ، ریاست پٹیالہ کا کچھ حصہ وغیرہ شامل تھے۔ ضلع کرنال کے علاقہ پر جمنا پار کے اضلاع سہارن پور اور میرٹھ کا لہجہ غالب تھا جو اُردو کے قریب تر تھا، اسی طرح ضلع گڑگاؤں کی سرحد میوات سے ملتی تھی اور خود گوڑگاؤں میں میوانی بھی آباد تھے، اس وجہ سے یہاں ہریانی پر میواتی کے اثرات غالب تھے۔ کاہنور اور نگانہ حالانکہ ہم جد تھ، پھر بھی ان کے لہجوں میں فرق تھا، تحصیل ہانسی کے علاقوں کی زبان ٹھوس ہریانی تھی"۔ [6]

جِد بٹوارا ہویا تو ہریانوی زبان مہاجراں کے گیل گیل پاکستان آ گی اور چاروں پاسے پھیل گی۔ ہر جگہ اس کے بولنے موجود سیں، پاکستان میں کوئی بھی اِسا کُونا کونی جِت اس کے بولن آلے نہ دِکھدے ہوں (مڑی سی ہان بھول جاں ساں کہ یو زبان سے کہ بولی)۔ ہریانوی یا ہریانوی نے کھڑی بولی، رانگھڑی بھی کہیا جاوے سے۔ مڑے مڑے فرق گیل اِس کے گھنکرے لہجے سیں، ہندوستان میں رہتک، کرنال وغیرہ راجپوتاں کے گھنے تعداد آلے علاقے تھے اور ہانسی اور رہتک کی زبان خالص رانگھڑی سمجھی جاوے تھی، ان علاقیاں کے راجپوتاں نے رانگھڑ (جنگ میں ڈٹن آلا) کہویں تھے، اِسے ماری ان کی بولی یا زبان نے رانگھڑی کہن لاگے۔ پر یو بھی سچ سے کہ زبان کسے بھی ایک قوم یا ذات کی کونی ہوندی بلکہ زبان تو علاقہ کی ہووے سے۔ اس زبان کے بولنیاں میں شیخ، قریشی، مغل، پٹھان وگیرہ بھی سیں، ویں اس زبان کے علاقیاں میں رہویں تھے۔ یو سوچیا گیا کہ اس زبان نے ذات پات سے کاڈھیا جاوے، اِسا نام دھریا جاوے جو کسے ایک قوم کا نھی جاندانہ دِکھدا ہو، پاکستان مین اس زبان پے کوئی اپنا علاقہ تو تھا کونی جو اس کا نام اس کے نام پہ دھریندے، اس ماری اس کا نام اپنے "جنم ستھان" پہ ءِ "ہریانوی" دھر دیا جو ساریاں واسطے اوپرا بھی کونی تھا ار اس پہ کسے نے اتراض بھی کونی تھا۔

مھاری زبان الگے الگے کیوں چالی؟ جِت جِت بھی اس زبان کا راج تھا، اُٹھے تعلیم کی کمی تھی۔ پر لوگ لڑاکے ار جی دار تھے، مار کاٹ، لٹھ بازی ان کا شغل تھی۔ ساری عمر لڑائیاں میں زندگی گزاری، اس ماری برٹش آرمی میں اُرے کے مانس بھاج کے بھرتی کریں تھے۔ جد پاکستان آئے تو بزرگ ان پڑھ تھے، جیاں ماری اس زبان کا ادب بس مانس سے مانس ڈاک مار دار رہیا ار سب کچھ زبانی کلامی رہیا۔ دوسری زباناں کی طراں اس زبان میں بھی شعر کا نھی زیادہ دھیان تھا۔ شعر سےءِ عام مانس کے سمجھ ار شوق آلی چیز۔ برصغیر میں بھی والی اللہ آئے ار سلام خاطر کام کریا، اللہ کا نام پھیلایا، انھاں نے

اسلام پھیلان ماری عام غریب مانس کی سمجھ میں آن آلے دوہا، گیت، بارہ ماسہ، اشلوک، بھجن وغیرہ سے مدد لئی کہ ان کا پھیلنا، پھیلانا، سمجھانا آسان تھا۔ ہادی ہریانہ، حضرت شاہ محمد رمضان مہمی نے رہتک، حصار میں ہزاراں لوگوں مسلمان کرے اور اسلام اصل شکل میں دکھایا ار بھتایا، وہم آلی باتاں مکائیں۔ انھنے مذہبی تعلیمات پھیلان ماری شاعری کا آسرا لیا۔ ان کی کتاباں میں آخری گیت، بلبل باغِ محمد، رنگیلی، عقائدِ عظیم، نصیحت نامہ، وصیت نامہ، قصیدہ امالی کا ہریانوی ترجمہ و تشریح، فتاویٰ محمد، رسالہ رمضانی، رسالہ برق لامع، رسالہ دِروافض شامل سیں۔ [7]

ان کی نظماں عورتاں نیں منھ زبانی یاد ہوویں تھیں جو ویں اپنے کام کاج کے بیچ زبانی دہراویں تھیں۔ اس ماری تعلیم ار سمجھ کی کمی ار شعری ضرورت پھلا نمبر پہ راکھنی پڑی، جیاں ماری ہریانوی میں نثر کی تخلیق اس طرح نہ ہو سکی جیو کر ہونی چاہیے تھی۔

اختر مرزا اپنے مضمون "ہریانوی زبان اور عصرِ حاضر" میں ہریانوی کی بڑھوتری ار پھیلاؤ کے بارے میں نیوں کہویں سیں۔

"ایب میں جکرا کروں گا پاکستان میں ہریانوی ادب کا۔ ہندوستان کے بٹوارے کے بعد جو ہریانوی ہجرت کر کے پاکستان آئے، ویں کسے ایک علاقے میں نہ بس سکے۔ بلکہ پاکستان کے سارے شہراں میں کھنڈ گے۔ جیادہ لوگاں کا تعلق واسطہ دیہات کے گاماں تے تھا توان نے جمین بی دیہات میں الاٹ ہوئی۔ تھوڑے سے لوگ شہر میں جائیداد لے سکے۔ ار جو پڑھے لکھے تھے، ان میں تو کچھ سرکاری نوکری میں چلے گئے۔ ساٹھ کی دہائی میں کچھ سہ ماہی رسالے چھپدے دیکھے، کچھ اکھبار بھی دیکھے سیں۔ جس کا سہرہ بلاشبہ راجپوت بھائیاں کے بجر گاں کے سر پہ باندھا جا سکے سے جنھاں نے اس جبان کی چھاپن واسطے کام شروع کریا"۔ [8]

پاکستان بنن کے بعد ہریانوی کا چمکار امڑ سا ان لکھاریاں مین دکھیا جن کی ہریانہ گیلے جُرٹت تھی۔ خواجہ حسن نظامی کا انشائیہ "من کہ ایک دھوبی" اس کی مثال سے جس میں ہریانوی اکھر ار شبد گھنے پائے جاویں سیں۔

پاکستان بنن تے پہلے ار بعد کے تیس چالیس سال لگ، سب تے بڑی عوامی تفریح سٹیج ڈرامے تھے جن نے سوانگ یا سانگ کہویں تھے۔ "سانگی" کا شبد اصل میں "سوانگی" سے لکڑیا، جس کے مانی سیں بھیس بدلن آلے۔۔ یو لفظ بدل کے سانگی ہو گیا، یہیں ویں فنکار اداکار تھے جو آج کے سٹیج

ڈراموں کی شروع کی شکل تھے، تاریخ کے مختلف مشہور کرداراں پہ بنے ہوئے قصے، موہ ماںتا کی کا ٹھی بات چیت ار گیتاں کے گیل روپ بدل کے عوام کے سامنے سٹیج پر پیش ہووے تھی، ان کی خاص بات یو تھی کہ ی ساری کا ٹھی، اس کی لے، ترنم، ایک ردھم، کے گیلے گا کے پیش کریں تھے، بیچ میں تھوڑا سا حصہ نثری بھی ہووے تھا لیکن 90٪ سے زیادہ گیت کی شکل ہووے تھی۔ پوریا واقعہ یعنی کا ٹھی آپ لکھنی، بول بتلا وا لکھنا، گیت لکھنا، گیتاں کی دھن بنانا ار ڈائریکشن دینا، سارا کچھ ییں فنکار آپے کریں تھے، کہن نے تو یہ فنکار چٹے ان پڑھ تھے، پر ان کے جملے، مکالمے، قافیے، لے، طرز، دھن سب کچھ پوری استادی کا نمونہ ہووے تھا۔ گان آلے انسٹرومنٹ کا استعمال کلا گیل کریں تھے، ان کے پاس کتاباں کا علم تو کوئی تھا پر استاداں کے گوڈے گٹے پکڑ کے جو سیکھیا، وا سب پہ بھاری تھا۔ ہریانوی کا یو خزانہ کاغذ پہ چھپنا ضروری سے نہی تو سب کچھ ماٹی ہو جے گا۔ مشہور سانگاں میں، قصہ پورن بھگت، نوٹنکی، بن دیوی، نور تن، جنگی بہادر، جانی چو، ہیرا مل بانیا ار جمال، راجہ امب کی کتھا، راجہ ہری چند، جھانسی کی رانی، لکڑہارا، بن دیوی، لیلہ مجنوں، ہیر رانجھا، سسی پنوں، رُوپ متی، باز بہادر، منشا سیٹھ مایا وغیرہ شامل سیں۔ مشہور سانگیاں میں "جموا میر، مان سنگھ، دھن پت (جموا میر کا چیلا)، لکھی چند، جھمن سانگی، باجے نائی، محمد شریف رف بنواری (جموا میر کا چیلا)، سرداری بیگم، غفور میر بوانی والا (ہندوا سے ہر پھول کہتے تھے)، مماز میر بوانی والا (غفور میر کا بیٹا)، رام کشن، بندے میر مہم والا (دھنپت میر کا چیلا) وغیرہ" شامل تھے۔ پاکستان بنن کے بعد "بندے میر، ممتاز میر بوانی والا، حاجن حسینہ، میر باگڑی، میر صدیق خاں نے نام کمایا۔

لکھن لکھان کا کام شروع ہویا، کالی رات میں ایک دو تارے دِکھے، کنور نثار احمد ایڈووکیٹ وا تارہ تھا جو چاند بر گا تھا، ان نے لو دھر اں کے جماں ءِ گیل ڈانوراں میں ہریانہ اُردو اکیڈمی کی نیم دھری ار ہریانوی زبان، ادب و ثقافت کی پھیلان کا بیڑا اٹھایا۔ پاتھر گھنا ء بھاری تھا پر کنور صاحب کے حوصلے امبر کے ہاتھ لارے تھے۔ ان کی ایک کتاب "انمول رتن" ہریانوی دوہے ار کہبتاں پہ لکھی گئی، یو منھ زبانی آلا علم تھا، اس نے سانبھنا گھنا ءِ ضروری تھا، کھوج پر کھ کے ڈونگے کنواں میں یو ڈول کنور نثار احمد مرحوم نے ءِ گیرا۔ ان میں سے کچھ کہبت تھارے آگے دھر اں ساں۔[9]

کچے بچھڑے ہل چلاویں تو بلد کون بساوے

☆☆☆

کھاتی کا چھولا، شریک کا بولا، تُرت جلے

☆☆☆

گاڈی میں چھاج بھاری نھی

☆☆☆

پاپی پاپ کا، بھائی کا، نہ باپ کا

☆☆☆

جس دودھی، اُسی سودھی

☆☆☆

کاگے کوسے ڈھور نھی مردے

☆☆☆

بھس میں ٹملی لا، جمالو دور کھڑی

دلدر ہاتھی، اپنی فوج کا کھوہ

☆☆☆

دن رات کتا پھیتی

☆☆☆

چھوراسے سنگت، چھنال کہواوے

☆☆☆

گنڈے سے گنڈیری میٹھی

گڑسے گنڈیری میٹھی

گڑسے میٹھارالا

بھائی سے بھتیجا پیارا

سب سے پیاراسالا

☆☆☆

لچا،سب سے اونچا

☆☆☆

جو بولے وائے کنڈا کھولے

☆☆☆

کاگے کوسے ڈھور نھی مردے

☆☆☆

گھر کی کھانڈ کر کلی،چوری کا گڑ میٹھا

☆☆☆

جٹھے دیکھی تواپرات

اٹھے گنوائی ساری رات

☆☆☆

کے لوہ کھوٹا کے لوہار

☆☆☆

کچھ بواجان نے تیار تھی،کچھ پھوپھالین آگیا

☆☆☆

سیر میں پونی بھی نھی کتی

اس طرح کنور محمد یٰسین قائم خانی نے اپنی کتاب "ہیرے اور کنکر" میں کئی طرح کا مواد کٹھا کریا،اس میں ہریانوی کہبتاں بھی رلائیں۔ان نے دیکھوآر دواد دیوو۔[9]

سالی چھوڑ ساسواں گیل مسخری

☆☆☆☆

رانڈ تو رنڈیپہ کاٹ لے، پر رنڈوے بھی تو کاٹن

دیویں

☆☆☆

سہاتے کا پاد بھی اچھا، بن سہواتے کا بول بھی برا

☆☆☆

پادے سر جے توہا گن کون جاوے

☆☆☆

دھووے بلووے جاٹنی، گو بر ٹھاوے جاٹ

☆☆☆

گڑ کھاوے، گلگلاں سے پرہیز

☆☆☆

آپ ناجو گی گادڑی، کاگانیو تن جا

☆☆☆

عید کاڈھ گی لید

☆☆☆

بھیڈ بیاوے، مینڈھا ٹسکے

☆☆☆

آج کال کے جنٹر مین، خالی جیباں مٹکے نین

ایک اور کوی مانس، لکھیک حکیم ظفر زیدی، جن کا تعلق بہاولپور سے تھا، اُن نے اپنی کتاب "اظہار کے دریچے" مین ہریانوی، میواتی، پنجابی سے متعلق سوچ بچار، پرکھ آلے مضامین لکھے ار رلائے، اس کے علاوہ ان زباناں کی شاعری گھڑی ار کتاب کا حصہ بنائی، ہریانوی کے ذخیرہ الفاظ لکھدے ہوئے، ان کے کٹھے کرے کچھ لفظ دیکھیو۔[11]

یو طپھان، دھولا جھاٹا، گجب کھداکا، رئے کوڈی کے کوڈی، مار ٹُکل، یو جاوا جا، بھلے مانس، کتھا کھاجے گاوغیرہ۔

بوھت تھوڑے لوگ اِسے ہوویں سین جو زبان کی ترقی واسطے سوچیں سیں ار اپنا آپ، اپنا سب کچھ مِٹا دیں سیں، ویں دن رات زبان واطے سُپنے دیکھیں سیں ار آگے بدھدے جاویں سیں۔ کرنل مہدی حسن راو نے ہریانوی کے بڑ بِسر ناول نگار ہون کا آدر ملیا سے۔ ان کے ناولاں کے نام "گاؤں کی گوری، گام کی چھوری" ہیں۔ بول بتلایا ہریانوی زبان میں سے، گیل گیل اُردو بھی گوندھی سے تاکہ ہر بندہ آسانی گیل سمجھ لے، مہدی صاحب کچھ نیوں کہوے سیں۔

"بانگر کی دو حسیناؤں کی اس کہانی کو میں نے اپنے جگری دوست کُونگر کی زبانی بیان کیا ہے"۔

چمیلی کے گیل گیل اس کی سہیلی چمپا بھی ناول کا اہم کردار سے، جس کا بیاہ گنپت رام سے ہو جے سے، لیکن وا کونگر گیل محبت کرے سے۔

جد ناول کی ہیروئن چمیلی جو ایک بانیے کی بیٹی سے، پانی بھرن کنویں پہ جاوے سے تو گام کے چھورے چھنڈے دل پہ ہاتھ رکھ رکھ کے کچھ نیوں کہوے سیں[12]

ہرا گلابی یو دانارے، سر پہ چندڑی کالی
روپ ترے نے پاگل کر دیا، منھ بٹوے سے والی
چر واں آنگلی مونگ پھلی سی
آنکھ تری سے نون ڈلی سی
جی کریا مرا کھان نے

ناول میں ہریانوی کہبتاں کی سوہنے طریقے سے گانٹھ ماری ہے کہ ویں اوپری کونی لاگدی، بانیے کی بیٹی ہون کے ناطے، کونگر چمیلی نے ایک کہبت صرف اس نے چھیڑن ماری سنایا کرے تھا[13]

بیر، بانیا، ب پولیس، ڈرائیور
نہی کسے کے پیارے

بھیترلے میں کپٹ راکھ جائیں

میٹھے بولیں سارے

جد چمیلی کی شادی ہون لاگی ار اس کا بنڑا اس کی سہیلیاں نے دیکھیا تو ویں دھک دھولی رہ گیں[14]

"بھولے بانیئے نے تو چھوری کو ڈبو دیا، ایسا بڑھیا گلابی دانہ ایک بانگے جباڑے والے کی جھولی میں گیر دیا"

چمپا اور کونگر کے بیچ ہون آلی بولی بتلادیکھی[15]

چمپا: میں اپنے دیورے کو تاولی گابھرو دیکھنا چاہتی
ہوں، ویسے بھی تیں
منے آج کل کونگر لاگے سے کیونکہ تیری مونچھ
اُگن لاگ ری سیں
کونگر: میں تو ایبے نیا نبالک ہوں
چمپا: بالکوں میں سب سے بڑی خرابی یوءِ ہوسے
کہ ویں جلد گابھرو ہو
جاویں سیں
کونگر: تنے کس طرح بیرا پاٹا کہ میں ٹھاڈا جوان
ہو گیا ہوں
چمپا: تیں منے اس طرح گھور گھور کے دیکھے سے
جیوکر میں تیری کچھ
لاگوں سوں

1945ء میں کونگر کی بڈنی باہن کا بیاہ ہویا تو اس
میں چمپا نے بڑھ چڑھ کے حصہ لیا، ار ایک گانا گایا

جس میں اس نے کونگر کے گیل اپنی آنکھ مچھولی

نیوں بنائی[16]

"ہائے راما

میں توناڑی بلموا کے پھس گی رے

میری جوبنیا کی گاڈی

کھانچے میں دھنس گی رے

جد چمپا کونگر کے گھر میں رہن لاگی کہ کام کاج میں ہاتھ بٹاوے گی تو اس کی ساس نے جان چھٹن پہ سانس لیا، چمپا اپنی ساس کے بارے میں کے کچھ سوچا کرے تھی۔[17]

"میری ساس ہر وقت میری کانھے ایسے لکھاوے تھی جیو کر قصائی کاٹڑے کی طرف دیکھتا ہے، اور مجھے طانے دے دے کر آٹھ آٹھ آنجھو رواوے تھی اور خود پھنڈے لگا کر پڑی رہتی تھی، اکثر کہتی میرے جسم میں بھڑک لگ گی"۔

ناول میں ہریانوی کے ویں اکھر باندھے سیں جو ہم روز گھراں میں بولاں ساں، جو مھارے رہن سہن کا حصہ سیں، ایک دفعہ کونگر کے دادا نوہرے میں سوئے ہوئے تھے، چمپا اُٹھے کسے کام سے گئی تو ان کے بیچ کے بول بتلایا ہویا۔[18]

دادا: کون گیا رے؟

چمپا: باباجی، میں تھاری بہو چمپا سوں

داداجی نے غصے میں کہا

تیں اُرے ٹینڈ سی لین آئی سے، بھاج جا یہاں سے

کئی باری ہم نے کسے لکھن آلا کے اکھراں میں اُردو کی رلت دِکھے سے، پر اس کی بڑی وجہ یو سے کہ ایک زبان جو پہلے لکھی کونی جاوے تھے، اس نے ایک دم ہم خالص للیاواں گے تو نئی نسل کے بالک دور بھاجیں گے، ان نے نا تو سمجھ آوے ار نا ان نے پڑھن میں آسانی لاگے، اس ماری کرنل مہدی حسن راؤ، کنور نثار احمد ار اور بھت سے لکھاریاں نے اُردو کے گیل ہریانوی رلائی کے ایبے قافلے چالیں

سیں، شروع میں ءِ سواری نابھاج جیں، آج کے بالک مھارا کال سیں، ہم نے ویں سامنے را کھ کے لکھنا سے۔ ویں گیل رلانے سیں اران کارلاناا سے طراں آسان سیں کے ان کے لیول پہ آکے لکھو۔

ڈاکٹر عمران اختر نے اپناپی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ "خطہ ملتان کی مختلف زبانوں کالسانی مطالعہ" کے نام گیلے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان سے 15-2011ء میں مکلیا۔ آپ کے نگران مقالہ پروفیسر قاضی عبدالرحمن عابد مرحوم تھے۔ اس مقالے میں ڈاکٹر عمران اختر زبانوں کا تقابلی جائزہ لیویں سیں۔[19]

اُردو ہریانوی، ملتانی، پنجابی اور میواتی زبان کے فقرات کا لسانی جائزہ

نمبر شمار	اُردو	ہریانوی	ملتانی	پنجابی
1۔	یہ بوڑھا نہیں ہے	یوہ بڈھا کونیاں	اے بڈھا کینی	اے بڈھا نئیں
2۔	اکرم اسلم کے ساتھ گیا ہے	اکرم اسلم گیلاں گیا سَے	اکرم اسلم نال گئے	اکرم اسلم دے نال گیا اے
3۔	اکبر کو کسی نے مارا	اکبر نے کسی نے ماریا	اکبر کوں کہیں مارے	اکبر نوں کنے ماریا
4۔	ہم وہاں گئے تھے	ہم اُت گئے تھے	اساں اُتھاں گئے ہاسے	اسی اوتھے گئے سی
5۔	یہ کس کا دروازہ ہے	یوہ کس کا بارنا سَے	اے کیں دابو ہا ہے	اے کدا بوہاؤا
6۔	آپ کو کس نے پڑھایا؟	تھم کس نَے پڈھائے	تہاکوں کیں پڑھائے	تہانوں نے پڑھایا
7۔	یہ بوڑھا وہاں سے یہاں آیا ہے	یوہ بُوڈھا اُت سَے اُریا آیا سے	اے بُڈھا اُتھوں اِتھاں آئے	اے بڈھا اوتھوں ایتھے آئے
8۔	پانی کون پلائے گا	پانی کون پیاوَے گا؟	پانی کون پلیسی؟	پانی کنے پیاوناں؟

9۔	آہستہ آہستہ چل	اَگے اَگے چال	ہولے ہولے ٹُر	ہولی ہولی ٹُر
10۔	وہ کس کا انتظار کر رہا ہے	واہ کس کی باٹ میں سَے	او کیندی تانگھ اِچ ہے	او کدی راہ ویکھدا اے

جامعات کھوج پرکھ کا گڈھ ہو سیں۔ اُرے سے علم ار کھوج کے چشمے پھوٹیں سیں۔ ہریانوی زبان کا اور زباناں سے تعلق واسطہ ٹون واسطے جامعات میں اس زبان پہ تحقیق چال؛ری سے، نئے نویلے ٹاپک سیں جو اندھیریاں میں پٹ بیجنیاں کی ڈھال چمک رے سیں۔ ایب لگ درج ذیل مقالہ جات پُورے ہو لئے سیں۔

1۔ شادی بیاہ کے ہریانوی گیت، ملتان میں (مقالہ برائے ایم اے اُردو) سین(07-2005ء)

انیلہ راؤ، نگران ڈاکٹر روبینہ ترین، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

2۔ الطاف حسین حالی کے ناول، مجالس النساء پر ہریانوی کے اثرات، تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مقالہ برائے ایم اے اُردو، (21-2019ء)

رضوان راجپوت، نگران ڈاکٹر سید جاوید اقبال، سندھ یونیورسٹی جام شورو

3۔ سب رس از ملا وجہی میں ہریانوی زبان کے اثرات، مقالہ برائے ایم فل اُردو (20-2018ء)

محمد شاہنواز، نگران ڈاکٹر حماد رسول، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

4۔ اصغر ترمذی کے شعری مجموعے "میری باتاں" کا تنقیدی جائزہ، بی ایس اُردو(23-2019ء)

اقصیٰ نثار، نگران مرید غوث، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، خانیوال

5۔ "خطہ ملتان کی مختلف زبانوں کا لسانی مطالعہ"، مقالہ برائے پی ایچ، ڈی 2015-2011ء

عمران اختر، نگران پروفیسر قاضی عبدالرحمان عابد، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

6۔ ہریانوی لوک کہانیاں، انتخاب و تجزیہ، تحقیقی و تنقیدی جائزہ، (18-2016ء)، برائے ایم فل اُردو

نجمہ عثمان راؤ، نگران کار ڈاکٹر حماد رسول، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

7۔ دوہانگاری میں ہریانوی اور اُردو کا لسانی اشتراک، مقالہ برائے ایم فل اُردو، (17-2016ء)
صابر علی، نگران ڈاکٹر نواز کاوش، NCBA بہاولپور

صابر علی صابر نے ایم فل کے مقالہ بعنوان "دوہا نگاری میں اُردو اور ہریانوی کا لسانی اشتراک" لکھیا جس کے شروع میں اوں تو دوہانگاری پہ گیان دھیان راکھیا گیا پر پہلے پہلے باباں میں ہریانہ کا تعارف اور گیل گیل ہریانوی صرف و نحو کا ذکر ا بھی کریا۔ صابر علی صابر ہریانوی کی گرامر، جملیاں کی بُنت پہ نیوں چاندنا گیریں سیں۔[20]

ہریانوی میں نون غنہ کا استعمال زیادہ ہوتا ہے، جیسے "سے کی بجائے سیں" اسی طرح "تُو کی بجائے توں" وغیرہ۔ ہریانوی میں جمع متکلم "ہم "آتا ہے۔ اسی طرح اشارہ کی ضمیریں ہریانی میں "یو، اِس" رائج ہیں۔ اگر شیخ محبوب عالم کے محشر نامہ کو دیکھیں تو اشارہ کی ضمیریں "یہ، ہووے، اِس، اِن، یو، تیں، توں" ملتی ہیں۔ ہریانوی میں "نے" علامتِ فاعل بھی ہے اور علامتِ مفعول بھی جب کہ اُردو میں یہ صرف علامتِ فاعل ہے وہ بھی صرف "متعدی" افعال میں، جملہ دیکھئے

من نے سانپ ماریا۔۔ اسی طرح۔۔۔۔ ماسٹر نے من نے ماریا وغیرہ

ہریانوی میں ڑ کی جگہ ڈ کا استعمال زیادہ ہے۔۔۔ ملا وجہی نے سب رس اور قطب مشتری میں پڑھنے کی جگہ پڈھنے، چھوڑ کی جگہ چھوڈ، بڑا کو بڈا، چڑھنا کو چڈھنا لکھا ہے۔ ہریانوی میں جمع بنانے کے لئے "وں" کی بجائے "آں" استعمال

کرتے ہیں جیسے کتاب سے کتابوں کی بجائی کتاباں ٹکر سے ٹکروں کی بجائے ٹکراں، غریباں، رااں، باتاں، لاتاں وغیرہ۔ ضی مطلق بنانے کے لئے الف کی بجائے "یا" لگاتے ہیں۔ جیسے مارنا سے مارا کی بجائے ماریا، کہنا سے کہا کی بجائے کہیا، چلنا سے چلا کی بجائے چالیا وغیرہ

ہریانوی میں الفاظ کو مشدد کر دیا جاتا ہے جیسے سونا کی جگہ سونا اور سُونا کی بجائے سُنا، لاڈو کی بجائے لاڈو، شادی کی بجائے شادی ، گوڈا کی بجائے "گوڈا" وغیرہ۔ ہریانوی میں درمیان کی ہ گرا دیتے ہیں اور یہی کام کھڑی بولی کی نشانی ہے جیسے نہیں کی جگہ نئیں اور کہاں کی ہ کا غیر واضح بولنا وغیرہ۔

صابر علی صابر مزید ہریانوی کے ضمائر اور زمانیاں نے بیان کر دے ہوئے لکھیں سیں۔[21]

فعل مستقبل کی گردان

غریب آدمی تھا ساری کہانی سنادی۔

سود گر: تیں اس پتھر نے بیچے گا؟

کمار: جی، بیچ دیوں گا

سوداگر: قیمت بتا

کمار: جی میں ہی غریب آدمی، منے کے پتہ کتنے کا سے، تنے جو ٹھیک لاگے، تیں دے دے۔

سودا گرنے کمہار سے بارہ آنے دے دیے، کمہار
نے تورا.جی را.جی لالی سودا گرسے دے دیا۔
کمہار کی تو خوشی کا ٹھکانہ کونی تھا، اس نے بیٹھے
بٹھائے بارہ دانے کٹھے مل گئے تھے۔ سودا گرنے
لال کمہار پہ سے لینڈے، اپنی گوج میں لگوایااور
گھر آگیا۔ سودا گر بہت بہت خوش تھا کہ اس نے
نو کروڑ کا لعل صرف بارہ آنے میں خرید لیا تھا۔
اس کے تو سودا بازی کر ان میں بال سفید ہوئے
تھے، اس نے دیکھدے پتہ چال لگیا تھا کہ لال
اصلی سے اور اس کے بہت پیسے ملیں گے۔ اسے
واسطے واہ ہر قیمت پے اس لعل نے جردر
خریدا، کیونکہ یو اس کی پوری جندگی کا سب سے
گھنافائدہ مند سودا تھا۔ واتولی سے گھر پہنچنا
چاہوے تھاتا کہ گھر جاکے تسلی سے جی بھر کے
لال نے دیکھے۔ گھر پہنچ کے سودا گرنے جب
لال گوج میں سے کاڈھا تو لال پاٹ کے دو
ٹکڑے ہو گیا۔ ٹوٹن کے بعد تو نو کروڑ کا لال دو
آنے کا بھی نھی رہا تھا۔ ٹوٹا ہویا لال دیکھ کے
سودا گر یو سوچ کے پریشان بیٹھارہیا کہ اس کے
گیلے دھوکہ ہو گیا۔ اس نے نے یو تو پتہ ءِ کونی تھا
کہ دھوکہ تو واہ کر کے آیا تھا کمہار کے گیلے۔ کمہار
نے تو سب تے جیادہ پیارا اپنا کھوتا تھا۔ جب اس
نے لال ملا تو اس نے اپنی سب سے پیاری چیز کے
گلے میں وا لال پرا دیا۔ لیکن سودا گر تو لال کی

اصل قیمت جانے تھا۔ اس نے بھی اس لال کی
قیمت بارہ آنے لادی۔ اس بے قدری پر لال
ٹوٹ کے دو حصے ہو گیا۔ عام جندگی کا حال بھی
کمہار کے لال برگاۓ سے۔ جس وقت ایک
اچھے بندے نے اپاں ٹھکراندے رہواں تو وا بھی
یوں ۓ ٹوٹ پھوٹ کے اپنی قیمت آپے ختم کر
لے سے

نیوۓ ایک اور لوک کا نھی "ٹکے کا ہاتھی دیکھو،
جس کی مٹھاس اِسی سے جیو کر گڑ کی بھیلی ہو۔

[23]

پچھلے زمانے کی بات سے، ماں بیٹا رہیا کریں
تھے۔ کمائی کا بھی کوئی وسیلہ کونی تھا۔ جس تیئں
سے گھر میں کئی ہان تو فاقے ۓ رہندے۔ ایک دن
سانجھ نے ماں بیٹھی روٹی پکاری تھی کہ پوت
بھاجیا بھاجیا گھر آیا ار ماں تے بولا

"ماں بزار میں ہاتھی ٹکے کا بک رہا سے۔ تیں پیسے
دے دے میں ہاتھی خرید لیوں گا"۔ ماں اپنے
پوت کی بات سن کے چپ ۓ بیٹھی رہیوے سے ار
تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی سانس بھر کے کہیوے
سے

"میرے لاڈلے، اپنی تو دو بکھت کی روٹی بہت
مشکل سے پوری ہووے سے، اپنے پے کت سے
آئے اتنے پیسے فالتو کی آپاں ہاتھی خریداں"۔

وقت کی بھلی بات ہے کہ یو چالدار ہیوے سے، رکدا کونی۔ گھنے سال گزر گے، بوڑھی ماں کا پوت جس جگہ مزدوری کریا کرے تھا، اس جگہ سب جانیں تھے کہ یہ چھورا بہت ایماندار سے اور کدے ہیرا پھیری کوئی نھی کردیا۔ اس کارخانے کے مالکان نے اپنا کاروبار باہر کے ملک میں شروع کرنا تھااور ان مالکان نے کیسے امانداربندے کی جرورت تھی جس کے حوالے وہیں اپنا سارا کاروبار کر کے جاسکدے۔ بوڑھی اماں کی دعا اپنے پوت کے ہر بکھت ساتھ ہووے تھی۔ فیر پوت بھی گھنا ایماندار تھا۔ کارخانے کے مالک اپنا کاروبار اس کے حوالے کر کے چلے گئے۔ غریب گھر کا چھورا تھاپر ترقی کا سپنا بھلا کس کا کونی ہوندا۔ وادن رات ایک کر کے محنت کرے تے اور آخر کو اس کی محنت رنگ لیاوے سے۔ کاروبار میں اس نے خوب منافع ہووے سے۔ گھنی دولت دیکھ کے بھی اس کی آنکھاں میں کوئی لالچ کونی آندا۔ اس کی ماں نے ہمیشہ سکھایا تھا کہ حلال کی روزی میں ءبرکت ہووے سے۔ حرام کا پیسہ جس راہ آوے سے، اسے راہ چلا بھی جاوے سے۔

مالکان نے جب مہر مہینے اتنا گھنا منافع جان لا گیا انہوں نے اس چھورے کی تنخواہ بھی بدھادی۔ گھر میں تو ماں پوت کا گھنا خرچا تھاء کونی۔ ماں

سارے پیسے کٹھے کر دی جاوے تھی۔ دو چار سال بعد مالکان نے اپنا کارخانہ بیچنا کاڈھ دیا۔اس چھورے پہ تو ایسے پورے پیسے کوئی جمع ہوئے تھے لیکن وا چاہ وے تھا کہ کارخانہ واخودءِ خرید لے۔ حبیب وامالکاں کے آگے اپنے دل کی بات بتادے سے تو ویں تو اس سے پہلے بہت راجی ہووے سیں،اس نے کہہ دیں سیں تیں قسطاں میں پیسے دے دیے۔ ار کارخانہ اس طرح وا چھورا خرید لے سے۔ تھوڑے سال میں ساری قسط دین کے بعد واکارخانہ کامالک بن جے سے۔ ایک دن بجار کسے کام سے جاوے سے تو کے دیکھے سیکہ ہاتھی بکن لاگ رہیا سے، اور بولی لاگدی لاگدی سوا لاکھ تک پہنچ جے سے۔ گھر آکے ماں نے بتاوے سے دیکھ لے ماں منے تیرے سے کہیا تھا کہ ہاتھی ٹکے کا بک ریا سے۔ منے لے کے دے دے، تنے نھی لے کے دیا، آج وا بھی سوالاکھ کاہو گیا۔ماں اپنے لال کی بات سن کے پچکارے سے اور کہوے تے جا آج جا کے خرید لے۔ آج میرے دھورے سوا لاکھ سیں میرے لاڈلے، اس دن میرے دھورے ایک ٹکہ کونی تھا۔

جد انسان کی گوج خالی ہووئے سے،ایک ٹکہ بھی گھنے معنی راکھے سے اور جب انسان کی گوج بھری ہو پھیر گھنے سے گھنی قیمتی چیز بھی کوئی

معانی کونی راکھ دی اور بندے کا بکھت بدلی ہوندا

رہوے سے۔

نجمہ عثمان راؤنے گھنیءِ شاباش ملنی اس ماری بھی ضروری سے کہ جو خزانہ مارھے بزرگاں کے دلاں میں سے، واکاغذ پہ نہ تارا گیا تو ایک دن ہم رِتے باسن کی ڈھال بس بیٹھے چاروں اوڑ لکھاواں گے ار کچھ نھی کر سکاں، ٹیم پہ کریا کام زیادہ اہم ہوسے، ار نجمہ عثمان کا کام نیو بھی کڑ تھپکن آلا سے کہ یو ڈرائنگ روم میں، لائبریری میں بیٹھ کے کونی ہو سکتھا، یو چل پھر کے، دھکے کھا کے کرن آلا کام تھا، جو نجمہ عثمان نے سوہنی ار ستھری ڈھال کر دکھایا۔

ہریانوی نثر کی تاریخ جد کد بھی لکھی گئی، وار اؤ رحمت علی کے افسانیاں کی کتاب "مراڑ" کے ذِکراں کے بغیر نیو جانو کہ لولی لنگڑی ہووے گی، 2006ء میں راؤ پرنٹرز کے پلیٹ فارم سے چھپی ار پڑھنیاں کے ہاتھاں تک پہنچین آلی اس کتاب کا ذکر ایب لگ پر کھنیاں کی زبان ار قلم پہ سے۔ 55 ورقیاں ار 14 افساناں پہ پھیلی ہوئی اس "کلا" کے پرچھانوے کدے بھی مٹ کونی سکدے، یو تو پہلےءِ ثابت ہو چکیا سے کہ کتاب کی موٹائی کی اہمیت ہوندی تو پطرس بخاری کی چھوٹی سی، تھوڑے سے وریاں آلی کتاب "پطرس کے مضامین "ایب لگ کھو کھا جاندی پر اس کے بغیر اُردو تاریخ پوری کونی ہوندی، یوءِ مقام راؤ رحمت علی کی لکھت "مراڑ" کا سے۔ ان 14 افسانیاں میں سے 3 افسانے ترجمہ شدہ اور 11 خود اپنی "کلا" سیں۔ اس کتاب کے بارے اختر مرزا کچھ نیوں کہندے دِکھے سیں۔ [24]

"راؤ رحمت علی کی لکھی ہوئی اپھسانیاں کی کتاب مراڑ جو کہ 2006ء میں چھپی، نیں ہریانوی پڑھن آلیاں کے دل جیت لیے، اس کتاب میں 14 پھسانے موجود ہیں جن میں تین ترجمہ کرے ہوئے اپھسانے سیں، اپھسانہ مراڑ مھارے علاقے کے حالات کی نمائندگی کرے سے جس میں ایک طلاق یافتہ چھوری تے کوئی بھی دوسری بار نکاح کرن پہ تیار کونی، بہر حال راؤ رحمت تے ہریانوی اپھسانہ نگاری کا بانی مانیا جاوے گا" واہے دِکھے سے "پیکر تراشی اور محاکات نگاری" ان کی خاص خوبی سے۔ [25]

ثُماں نے اِبے پانی کا ایکءِ گھونٹ لیا تھا جِد اُس کی
کڑپہ اُس کی ساسُو نے دوہا تھڑ ماریا

"کل موہنی، تتنے لے جے ڈھائی گھڑی کی، منے برجیا نھی تھا۔ بارہناں آیئے، تیرے گڈڑی ءِ کونیاں"

دھکالاگ دے ءِ گلاس کا سارا ءِ پانی ثُماں کے اُوپر کھنڈ گیا تھا۔ جےَ سامنے گھڑونچی نہ ہوندی تو دھرتی میں منہ جاکے لاگدا

"بُوا، میں تو پانی پین آئی تھی۔ ثُماں نے الگ د نے سے کہیا۔

ان کے افسانے "مراڑ" میں جگہ جگہ پہ کردار جیندے جاگدے دکھیں سیں۔[26]

رات کے دس بج لئے تھے جِد گاڈی نے پہلی سیٹی دئی۔ میں تولی سی گاڈی میں چڑھ لیا۔ لاگدا تو کونیا تھا جو سیٹ مل جے گی۔ منے ٹیشن پہ بھیڑ دیکھدے ہویا سوچیا۔ بوگی کے ایک کانی تے دوسری اوڑنے جاندے ہوئے، منے دو برتھ رِتی دِکھی تو میں ایک برتھ پہ اپنا بیگ آگے نیں سرکا کے اوپر چڑھ گیا، برتھ پہ بیٹھیاں پاسے منے سکھ کا سانس لیا، گاڈی نے دُوسر کے سیٹی دیندے ءِ الگ دنے سی ٹیشن چھوڈ دیا۔ میرے برابر آلی برتھ پہ بھی ایک سترہ اٹھارہ برس کی سوہنی سی چھوری بیٹھی لی۔ منے اپنے آپ تے کہیا، اتنی سوہنی آنکھاں میں آنجھو، نیولاگے تھا جنوں کالے بادل ایسے برس کے تھمے سیں، پھیر بھی دکھ کی دُھول اس کی آنکھاں میں دور لگ

اُڈی پھرے تھی۔ اس کی آنکھاں کے کور وے
کہہ رے تھے، ان بادلاں میں ایبے گھنا پانی
سے۔ ابے کھل کے نھی برسے سیں۔ کے بیرا
کسے اپنے تے بچھڑن کا دکھ ہو، کے بیرا کچھ کُھس
گیا ہو۔

افسانہ "مراڑ" کی اُجڑی پجُڑی چھوری رضیہ جد
زہر پی کے خودکشی کرے سے تو اس کے انتم لفظ
بھت ستھرے طریقے سے لکھاری نے مھارے
آگے دھرے سیں، سارے گھا مھاری نظراں
میں پھر گے۔[27]

"کون کسے کا ساتھ دے تھا، میں ادر گیلے جی نھی
سکی، تو آدر گیلے اپنے مرن کی باٹ کیوں
دیکھوں"

راؤ رحمت علی نے عام زندگی ار روز کے بول بتلان آلے لفظ باندھے سیں ان نے اپنا لکھیا خالص ہریانوی بنان کی کوشش کری سے۔[28]

تڑکے ءِ تھے اُس کا جی اور ساہو رہیا تھا۔ پھیر بھی
وا اپنی ماں کے کہن پہ گُلگلے تارن چُلھانی میں آ بیٹھی
تھی۔ سامن اِبے برس کے ءِ تھمیا تھا گام کے
سارے گھراں میں گُلگلے پُوڑے اترن لاگ رے
تھے۔ اے رانی!

وا اُدک کے پڑی، اِبے اُس نے دو چار گُلگلے تارے
تھے۔ جد دھنو نے آ کے اُس کے کان میں رُکا
ماریا کرنل مہدی حسن راؤ کا ناول "گام کی
گوری" اپنا کھویا ہویا کال دکھان کی ایک کوشش

تھی، اِسا کال جس میں آن آلا کال ار گزریا کال کٹھے ہو جیں سیں۔ یو اصل میں ان کے پہلڑے ناول "گاؤں کی گوری" کا دوسرا حصہ سے۔ ہریانہ کے حالات، ریت رواج میں گندھیا یو ناول ہریانوی ضرب الامثال، کہاوتوں، بجھارتوں، رسم و رواج سے سجا ہویا سے۔ بابا جی اور کانگر کا مکالمہ دیکھئو، جو "بابا جی سے کھسیے پاڑنا" کی ماتھا پٹی سے لکھا گیا ہے۔[29]

بابا جی: کون گیارے؟

کونگر: بابا جی، میں ان چھوریوں کو بھولا بانیئے کے گھر تک چھوڈن جارہیا سوں

بابا جی: کیا تیرے بنا ان نے گھنے اوہڈ کے آویں سیں؟

کونگر: ان سب کے گیلے جانا ضروری ہے، ان نے ڈر لاگے سے

بابا جی: یہ کیوں نھی کہندا کہ میں باچھڑو کی طرح کھونٹا تڑوا کے ان کھار کی بہڑیوں کے پیچھے جانا چاہوں سُوں

کونگر: اِسی تو کوئی بات نھی، لیکن ان کا بھی ہیج پاٹ رہیا ہے

بابا جی: تو پھیر ڈو کے لین جارہیا سے، یہ تو ہر وقت یوسی رہویں سیں

کونگر: آپ کے لئے شام کا پروسا تیار کروا کے لیاوں گا

بابا جی: اچھا تو پھیر تیں میری اوڑ سے سر منڈوا
کے ان کے گھاگھرے میں بڑ جا، دھاپاں دائی
آ پکے کھرِیے پکڑ کے کھینچ لے گی۔

کونگر: بابا جی، یہ ساری مل کے تنے نمستے کہہ ری
سیں

بابا جی: ان کے نمستوں نے بوھ لیا، یو کون بیچ میں
پوسی ہوئی بکری کی طراں من من کر کے
ممیاری سے

چمپا: بابا جی، کچھ مٹھی چاپی کر دیوں؟

بابا جی: تنے پتہ ہونا چاہیے کہ بڑھاپے میں خون
تولی کھول جے سے ار گھنی دیر میں ٹھنڈا ہووے
سے، تیری ساس بسنتی لال کدے کدے پیر دیا
کرتی تھی، ایب وا بھی گھونگٹ کاڈن لاگ گی۔

چمیلی: بابا جی، تھارا منہ میٹھا کرواں دوں، دکان
سے ابھی لڈو لے کر آتی ہوں۔

چمپا: یہو توڈھیسر وہے ار پالٹری کا تھالا بٹھادے
ہے، دشمن اناج کا، اتنا کھاوے سے جنا گیٹوں
تک تھوتھا سے۔

کوئی بھی زبان ہو، اس کے ادب میں تاریخ ار تنقید ایک خاص مقام راکھیں سیں، ہریانوی زبان میں بھی اس پاسے سوہنا کام ہو رہیا سے۔ آدرنیے کوی، نوشاد قاصر اپنے مضمون "پاکستان میں ہریانوی زبان کا سفر" میں لکھیں سیں۔[30]

"پاکستان بنا تو ہجرت کر کے آن آلے مسلماناں
میں سب تے گھنی تعداد ہریانوی بولنیاں کی
تھی، پاکستان بنن تے پہلے بھی ہریانے کی

تہذیب، ثقافت ار رسم و رواج برصغیر کے
دوسرے علاقیاں تے نیارے تھے۔ ہریانی بولی
برصغیر کی قدیم ترین بولیاں میں تے ایک سے
جس کا ثبوت ہندوواں کی چاروں ویدار دوسری
قدیم مذہبی کتاباں میں پائے جان آلے خالص
ہریانوی الفاظاں سے ملے سے جس تے ہم کہہ
سکاں ساں کہ ہریانوی قدیم آریائی بولیاں میں
سے ایک سے"۔

نیو وے اختر مرزا نے "ہریانوی زبان اور عصرِ حاضر" پر کھول کھول کے مضمون لکھیا، جس میں ایک عام پڑھنیا ار پر کھنیا واسطے سوچن کا مقام سے۔[31]

"ہریانوی جبان کے چھے لہجے رجسٹرڈ سیں۔
بانگری، سنٹرل ہریانہ کے آسے پاسے بولی جا
سے، باگڑی سرسہ، حصار، فتح آباد، ہانسی کے
علاقیاں کی بولی، کھادری، نر دکھی، کوروی انبالہ،
کرنال، جمنا نگر، کورو کیشتر کے علاقیاں میں بولی
جاوے سے، دیش والی روہتک، سونی پت، پانی
پت، گوہانہ، جھجر ار بوانی میں بولی جاوے سے،
آہیر وانی مہندر گڈھ، ریواڑی ار نارنوند میں بولی
جاوے سے، میواتی ریاست میوات، گوڑگاوں،
فرید آباد، ار آسے پاسے سے کے شہراں میں بولی
جاوے سے"۔

نوشاد قاصر، جو ملتان میں رہویں سیں، اُردو ہریانوی کے بڑِبسر کوی ار بڑے شاعر سیں، ان نے ہریانوی لغت تیار کری، جس میں دس ہزار سے زیادہ الفاظ سیں، ایبے لگ یو لغت چھپ نھی سکی۔ اختر مرزا اس کے بارے میں نیو کہویں سیں۔[32]

"ایک اور بات کا کریڈٹ نوشاد بھائی نے جاوے
سے کہ انھاں نے ایک ہریانوی ڈکشنری بھی لکھ
راکھی سے جس میں دس ہزار سے جیادہ شبدھ
موجود سیں"۔

اسے طراں میرا اپنا فسانہ "کلی لگائی" تین ماہی نوھرہ میں چھپیا، ایک کلی لگائی رات نے گال کے مینھ جاندی دِکھے سے تو سارا محلّہ اس نے خراب لگائی سمجھن لاگ جے سے۔[33]

اسے ہاں مینھ پچھلا رکشہ بھی پہنچ لیا، کلّی لُگائی کے پیچھے لاگے چھورے دھم دنے سِی ڈاک مار کے رکشتہ سے اُترے، اس بچاری پہ ساریا نے دالا راکھیا تھا!!

"بھائی، تھوڑا تھمیے، میں ایبے آئی"
عورت تھکی تھکی آواز میں کہہ کے
اُترگی، تیرکی طرح سامنے میڈیکل سٹور
کانھی چال پڑی، کاونٹر پہ کھڑا چھورا
بھی سنبھل کے بیٹھ گیا۔
"آدھی رات نے کلّی عورت۔۔۔یو
بھی کِسے کے گیلے جان آلی سے تھوڑی
دیر میں ءِ" چھورا نے داندا پاڑے۔
عورت نے کاغذ کا مُڑا تڑا ہویا ایک ٹکڑا
پلّو سے کھولیا اَر کاونٹر پہ دھر کے رون
برگی آواز میں بولی

"میرا لعل مرجے گا بھائی، منےّ تولی یہ
دوائی دے دیو"۔

صابر علی صابر، اُردو ہریانوی نثر کے لکھنئے ار آدر نئے شاعر سیں، ان کی شاعری جتھے ردھم ار مٹھاس راکھے سے، اٹھے ان کی نثر میں محنت، کوشش، کھوج، پرکھ بھی دِکھے سے۔ ان کے افسانے "جیون جوگا" سے تھوڑا سا ٹکڑا دیکھئو۔[34]

"جو بن میں جچا، سوچاں میں رچا، لتے
مُس جچا ار شرم سے ناڑ نیچی کرے
بھان کے گام میں داخل ہویا، نوہرے
مُس گھوڑی باندھی، تکڑے ، گلگلے،
پوڑی تار کے اند لے گیا، گھر خالی تھا،
بیرا لاگ گیا کہ بھان ار بہنوئی تو کنبے
میں کارج سے ارگی۔ بارنے کی کونڈی
باجی، دروازہ کھولیا تو کے دیکھے کہ ایک
چاند کا ٹکڑا کھڑیا سے، وا دھڑاک دنے
سی بھیتر آگی۔ غلام محمد بولیا، گھر میں
کوئی بھی کونی، آن آلی بولی تیں تو سے،
غلام محمد کا ہاتھ پکڑا ار کمرے میں
کھاٹ پہ دھکا دے دیا، غلام محمد دہڑ د

نے سی پڑیا، اوپر وا آرھی، آنکھاں
میں آنکھ گیر کے ہوش اڑا دیے"۔

ہریانوی میں کیائے کی بھی کمی کونی، اس زبان میں لکھنئے اپنا لکھیا سر ٹھا کے سب کے آگے دھر سکیں سیں۔ رانا تصویر احمد اور نوشاد قاصر کا رل مل کے لکھیا افسانہ "تِیور" ایک نیا نکور تھیم راکھے سے۔ مڑا سا تھمیوار دیکھو۔ [35]

"کبوتر کی یاری چام چرڑ گیلے ہوگی۔
دونوں کی سوچ نیاری نیاری، دونواں کا
دن نیارا نیارا، ایک کا دن سورج ڈوبیا
پاچھے لِکڑدا ، تو دوسرے کا دن سورج
لکڑیاں پاچھے پھیر بھی یاری چالدی
رہی، دونوں اپنی اپنی تھار اڑے
ہوئے تھے۔ چام چرڑ نے رات کی
کالس دن کا چاندنا لاگے تھی، ار کبوتر
نے دِکھے نھی تھا۔ جد کبوتر اپنے ڈھبی
نے دن کا بیرا دیندا تو چام چرڑ جماء
ناٹ جاندا، تو کبوتر کی جھنجھلاہٹ
دیکھن آلی ہووے تھی"۔

کہبت وائے دکھاوے سے جیسے ہم ساں، جسا چاروں چھیرے ہوراسے، وجہ یو سے کہ اس کی ماٹی عام لوگاں میں سے ٹھائی جاوے سے۔ اختر مرزا "ہریانوی کہاوتیں" میں لکھیں سیں۔ [36]

"جتڑے لگ ہریانوی کہاوتاں کا تعلق ہے، ان کی تاریکھ اتنی پرانی سے جتنی اُردو جبان۔ ایب یا بات تو کوئی تاریکھ دان بتاوے گا کہ اُردو جبان کی کہاوتاں ار ہریانوی جبان کی کہاوتاں ایک جسی کیوں سیں، یا پھیر وا بات کہ ہریانوی جبان اُردو زبان کی ماں سے"۔

اسی مضمون میں وہ کہاوتیں اور گیان کے بول بیان کریں سیں۔

1۔ ستھری نار، ہاتھ میں ہتھیار، ایک طرفہ پیار، ار پھدو یار
لے کے بیٹھن کے ہووے سیں

2۔ جو سریر نے تنگ کرے وا کھانا ٹھیک نھی
بے وقت گھراں غیر کے جانا ٹھیک نھی
جار کی یاری، ویشیاء کا ٹھکانہ ٹھیک نھی
خوشی کے ٹیم پہ ماتم کا گانا ٹھیک نھی
بِیر کے زیادہ منہ کے لگانا ٹھیک نھی
بیٹی ہے گھر کی شوبھا، گھنا گھومنا گھمانا ٹھیک نھی
پاس کے دھن سے کام چال جے تو قرضہ ٹھانا ٹھیک نھی
بھائی چارے تے رہنا چاہیے، بے جا غصہ ٹھانا ٹھیک نھی
سسراڑ، جمائی، بیٹی کے باپ ار گام میں سالا ٹھیک نھی

اس کے علاوہ اختر مرزا نے بڑی گیان دھیان راکھن الی کہبت کٹھّی کرسی سیں

3۔ کاش کی کیاری، پولسیے کی یاری ، گدھے کی سوری، کدے بھی دکھ دے جے سے۔

4۔ بھوری چماری، بڈھی کمہاری، جوان لوہاری، چھومیں تولی آوے سے

5۔ ایک آنکھ کا کے کھولنا ار کے میچنا

ہریانوی میں ادبی چندرما کے ترجمیاں کا کام بھی ہورہیا سے، اختر مرزا نے راجندر سنگھ بیدی کا مانیا ٹھانا افسانہ "بھولا" ترجمہ کریا، کچھ ٹکڑے دیکھیو اور ترجمے میں موجود مٹھاس سے منھ میٹھا کرو۔ [37]

"جد منے دیکھیا، مایا ماٹی کے کٹورے
میں مکھنڑ دھرنڑ لاگ ری تھی، مایا
نیں سینت کی کھٹاس ہٹانڑ کھاتر مکھنڑ
کئی باری پانڑی گیلے دھویا تھا۔
اس طرح مکھنڑ دھونڑ کی کوئی کھاس
وجہ جرور تھی۔ اس طرح کی بات مایا
کے کسے رستہ دار کے آنڑ کا سندیسہ دیا
کرے تھی۔ ہاں ایب منے یاد آیا، دو
دن بعد مایاِ کا بھائی اپنی ودھوا بھان
پے راکھی بندھان آن آلا تھا۔ رواج
تو نیوں سے کہ باھنڑ بھائی کے گھراں
جا کے راکھی باندھیا کرے، پر مایا کا

بھائی اپنی بھان ار بھانجے تے ملن
آپے آجا کرے تھا۔ راکھی بندھوا
کے وا اپنی ودھوا بھان نے اس بات
کا یقین دوایا کرے تھا کہ اس کا سہاگ
لٹ گیا تو کے ہویا۔ جب تک اس کا
بھائی جندہ سے، اس کی رکھسا کی جمہ
داری اس کے کاندھیاں پہ سے"۔

نیوں ء اختر مرزا نیں منشی پریم چند کے افسانے "بڑے گھر کی بیٹی" کا ترجمہ بھی سوہنی طرح کریا، جو بیندے پانی برگا سے۔[38]

"بینی مادھو سنگھ، موضع گوری پور کا
زمیندار، نمبردار تھا، ان کے بڈے
بڈیرے کسے زمانے میں اچھے کھاندے
پیندے لوگ تھے، گام مینھ پکے جوھڑ
ار مندر، ان کے یاد گار تھے۔ لوگ
کہویں سیں کے پہلے ان کے گھر کے
بارنے پہ ہاتھی ہویا کردا، پر آج کول
اس ہاتھی کے بدلے میں۔۔ ایک
بوڈھی مہینس بندھ ری تھی۔ جس کے
گات پہ ماس ءِ کونی تھا۔ پر لاگے سے کہ
دودھ گھنا ءِ دیوے سے۔ کیونکہ جد

دیکھو ایک مانس ہانڈی لے کے ہر
وقت مہینس کے سر پہ کھڈاد کھے تھا۔
بین سنگھ نے اپنی آدھی سے زیادہ
جائیداد وکیلاں تے کھوا دی۔ ار ایب
اس کی سالانہ آمدنی ہزار روپیاں تے
زیادہ کونی تھی۔ ٹھاکر صاب کے دو
بیٹے تھے۔ بڑے کا نام سری کنٹھ سنگھ
تھا، اس نے ایک مدت جان مار کے
بی اے کی ڈگری لئی تھی ار ایب ایک
دفتر میں نوکر ہو گیا تھا"۔

نجمہ عثمان راؤ نے پطرس بخاری کے مشہور مضمون "سویرے جو آنکھ میری کھلی" کا ہریانوی ترجمہ نیو کریا کہ اُسے کی پرچھائی لاگے سے۔ [39]

"گادڑ کی موت آوے، شہر کا نھی
بھاجے، میرا بخت جاگیا، ایک دن
اپنے پڑوسی لالہ کریا شنکر جی، بے
چارے سے باتاں باتاں میں کہہ دیا
بھائی امتحان کے دن تھوڑے رہ
گے، تیں سویرے اٹھے سے، منے بھی
ٹھا دیا کر، وا بھائی تو لاگے باٹ میں ءِ
بیٹھیا تھا۔ اگلے دن اس نے تو لیا اللہ

کا نام ار دے دھما دھم میرے کواڑ
پٹنے شروع کر دیے، مڑی دیر تو منے لاگیا
کہ میں نیند میں ہوں، ایب کے فکر،
آنکھ کھل گی تو لاحول پڑھ لوں گا، پر وا
بمباری تو تیزءِ ہوندی گئی۔ لے بھئی،
جد کمرے کی چاروں کاندھ ہالن لاگیں،
گھڑے پہ راکھیا گلاس ناچن لاگیا، ار
کاندھ پہ لٹکا کیلنڈر پنڈولم کی طریوں ہالن
لاگیا، تو منے جاگنا ء پریا۔ پر ایب کواڑ
لگاتا پیٹے جارے تھے، میری کے
اوقات سے، اس اودھم سے تو میری
سات پشت قبراں میں اٹھ کے بیٹھ گی
ہوں گی"۔

زاہد وارثی ، اُردو، ہریانوی کا سوہنا شاعر سے ار گیل گیل ستھرے افسانے لکھنیا بھی۔ ان کا لکھیا کدے بھی گھڑیا ہویا کونی لاگدا بلکہ سارا کے قدرتی لاگے ہے، نیولاگے ہے جنوں سارا کچھ ہم ہوندے دیکھ چکے ہاں۔ ان کی ہریانوی افسانیاں کی کتاب "ایکلا درکھت" تولی ءِ تھارے ہاتھاں میں ہووے گی۔ [40]

"وا چھوری دھرتی میں نجر گڈوئے
بیٹھی تھی۔
سوبتی ءِ بولی

جنت میں اُس پیڈے کا پھل جو کھایا
تھا تو اورے اُس کی کِیے تو سزا بھگتنی
تھی۔ میں بھی اِس پاپی پیٹ کی مار
اس نرگ میں سوں
اس کی یو بات تلوار بن کے ماجد کے
اندر بڑ گی ار واڈو وہنگی سوچ میں پڑ گیا
کہ اللہ پاک پہ تو اور بھی کئی ءِ راستے
ہونے تھے مانس کی نسل نے آگے
بڈھن کے ۔ پھیر یو جُلمی پیٹ ءِ کیوں
لایا۔؟
پھر اس نے جواب آپے مل گیا کہ یو تو
مانس کی اپنی غلطی تھی۔ نہی تو اللہ
نے تو دانواں طریاں مانس سے سمجھا
دیا کہ جنت میں رہ۔ موجاں کرار اس
پیڈے کے نیڑے بھی نہی جانا۔
مطلب وا پھل نہی کھانا تھا۔ پر مانس
سے ابلیس جَیروئے نے اِسی پٹی
پڈھائی۔ واپھل بابے آدم سے
کھوادیا۔ پھیر اُسے دن سے مانس کے
گیل یو پیٹ لاگ لیا۔ ار اس پیٹ کی

دو بھو کھاں بھی چِمڑ لی۔ پہلڑی بُھوکھ
روٹی کی سے، جس ٹیم تک نہی پوری
ہوندی دوسری (جنسی) بھوک بھی نہی
لاگدی۔ کئی مانس پہلڑی بھوک مٹان
واسطے حرام حلال کی تمیج بھول جیں
سیں۔ ار جد دوسری بُھوکھ لاگے سے تو
پھیر مانس کے اندر کا خناس اپنا جور
مارے سے ار وا اُرنے پرنے مونہہ مار
لے سے۔ بُھوکھ پہ کسے عام مانس کا
بس نہی چالدا سوائے اللہ پاک کے
خاص بندے۔ جنہاں نے یو بات
جان لی کہ اللہ ار مانس بھی بھوکھ (ار
نیند) کا پردہ سے۔
ماجد نے اس چھوری کی بات کے
ڈوہنگی لاگی"

نیوءِ زاہد وارثی اپنے ایک اور افسانے "جنا جے آلی کھاٹ" میں بول بتلا ارگیان کی اٹاری پہ بیٹھے دکھّے سیں۔ [41]

"رِکسے مینھ بیٹھدے ء مریم خالی خالی
انکھاں گیل منے دیکھدی رہی، منے
اسکا پرس ٹھا کے ہم دونواں کے بیچ

میں (نامحرمی کی بھیت بنا کے) ٹیک لیا۔

کچھ دیر خموشی رہی پھری اُس کے آنجو اُس کے گلے آں سے ہوندے ہوئے اسکے بُرکھے کے کالے رنگ نےا وریتج کرن لاگ گے۔ حالت میری بھی بگڑ ری تھی پر منے صرف مرد ہون کا بھرم راکھ راکھیا تھا۔

بیس منٹ تک رکشہ چالدا رہیا ار مھارا رونا بھی۔ (وا باہر سے روری تھی میں بھیتر سے) منے تو بیرا نہی تھا کہ باقی کتنا سفر سے، پر مریم کی اگلی حرکت نے بتادیا کہ ایب سفر ٹکن آلا سے۔ پانچ منٹ رہ گے تھے۔

مریم نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھاں میں کَس کے دبا لیا۔ لاگے تھا، ایب اس کے اندر کا مانس ٹوٹ لیا تھا۔ وا کُھل کے روئی، اُسکے گرم گرم آہنجو میرے ہاتھ پہ گرے تھے۔ اسکی بس ہوگی تھی ایب۔

منے پھیر بھی مضبوط رہن کا دکھاوا
کریا۔
اپنا ہاتھ مڑا کھینچ کے ء راکھیا۔ "پہلڑی
ار آخری" ملاقات کے دو گھنٹے آں میں
سے صرف آخری پانچ منٹ باقی
تھے۔ مریم کا بس نھی چال رہیا تھا کہ
کائنات تھم جے ار ان پانچ منٹاں سے
اگے نہ لکڑے۔ میں اگر اس بکھت
وابے رپخی نہ راکھدا ار اپنے اندر کی
اُس ء برگی حالت اس نے دِکھا دیندا تو
وا میر سے لپٹ جاندی ۔ شاید ہمیشہ
واسطے۔ رِکسہ ڈریور بابا پٹھان اگے
لاگے سیسے میں سے یو تماسہ دیکھ را
تھا۔ اس نے کوئی رد عمل نیو بھی نھی
دکھایا کہ شاید اُسکے رِکسے میں اِ سے
تماشے روج ءِ ہوندے ہوں گے"۔

ہریانوی میں "کھوج پرکھ" پہ کام بھی شروع کر دیا گیا سے۔ من نے حسن رضوی کی شاعری میں ہریانوی لفظاں پہ کام کریا ار نجمہ عثمان راؤ نے راؤ رحمت علی کے افسانیاں کی کتاب "مراڑ" پہ تنقیدی سوچ بچار کری سے۔ [42]

"راؤ رحمت علی "مراڑ" میں معاشرتی
اور تہذیبی موضوعات پہ لکھن کے
گیل گیل اخلاقی موضوعات پہ بھی طبع
آزمائی کردے نجر آویں سیں، ان کے
افسانے ایکا، دوسرا بیاہ، سنجوگ،
بھائی چارے کا جور ار مغالطہ اسے
بات کے عکاس سیں۔ ان افساناں
میں مصنف معاشرے میں پھیلی
بُرائیاں، ار ان نے دور کرن واسطے
انسان نے کے طریقے اپنانے چاہیے،
بھت اچھے سے بیان کریں سیں۔
رحمت علی نے اپنے افساناں کے
موضوع کتے امبر پارتے کونی لئے، یوءِ
وجہ سے کہ ان کے افساناں کے کردار
جیندے جاگدے کردار سیں جن میں
انسانیت بھی جندہ سے ار احساس بھی
پر اس کے گیل گیل بشری کمزوریاں
بھی پائی جاویں سیں۔ا ریوءِ ایک
اچھے افسانہ نگار کی خوبی سے کہ وا اپنی
تخلیق میں اسے کردار دکھاوے جو

معاشرے کے تمام کردار ہوں تا کہ
لوگ اس نے پڈھ کے اوپرا محسوس نہ
کریں"

پروفسر آکاش مغل کہن نے بس ایک نام سے، ویں ایک مانس ییں کئی کلالھکوئے ہوئے سیں ار ان کا ہر روپ عین ءِ مکمل سے، اُردو سے منٹو کے ا فسانچے "صفائی پسندی"، "حلال ار جھٹکا"زیب سندھی کا افسانہ "قصائی" سندھی سے ہریانوی ییں ترجمہ کریا، جس سے ہریانوی کا دوسری زباناں کے ادب سے تعلق قائم ہویا۔ [43]

رانا اکبر علی چوہان، ہریانہ کے گاماں کی تاریخ کٹھی کر رہے سیں، اس کام ماری ویں بڑی باریکی سے کام کر رے سیں، ہر گام کا پچھلا ار اگلا حال کھول کے بتاویں سیں۔ ان کا یو سلسلہ ان کے فیس بک پیج پہ تو جاری تھا ء، ایب تین ماہی نوھرہ ییں ان نے یو شروع کریا سے جو کہ بہت ءِ پسند کریا گیا۔ [44]

صابر علی صابرنے اُردو لٹریچر کے گیل گیل انگلش لٹریچر ییں بھی بھت دماغ لگایا سے ار ہریانوی تو ان کی آتماں ییں اتر ری سے، ان نے ایک بڑا الگ سا کام کریا، جان ملٹن کی مشہور ار لمبی کویتا Paradise Lost شا مھی دھری ار ہریانوی کے ممتاز کلا کار، شاعر، ممتاز میر بوانی آلا کے کلام گیلے اس کا موازنہ کردیا۔۔۔ سے نے انوکھا کام؟ صابر علی صابر کی زبانی سنو۔ [45]

"جان ملٹن شروع ییں شیطانی دنیا کا
نقشہ کھیچن سے پہلے اللہ کی تعریف

کرے سے، اللہ کی حمد بیان کرے
سے، اللہ پھیر شیطاناں نے دوزخ میں
پھینک دے سے ار ویں زمین میں
دھنس جے سیں، شیطان نے پھیر
ہوش آوے سے ار فرشتیاں گیل
بتلاوے سے، ان نے کہیوے سے کہ
تھم نے اپنی ڈیوٹی کے مطابق سارے
کام کرے، جنت بچھائی، تخت
بچھائے، دودھ کی نہراں بہائی، تھم
نے چرند، پرند، سجاوٹ ، رنگ رنگینی،
بنائی، فرشتیاں سے خطاب میں جان
ملٹن جو جو تشبیہ ار استعے استعمال
کرے سے، ممتاز میر نے بھی اِسے
مضامین برتے سیں۔ ممتاز میر نے
بھی اپنی ایک راگنی میں جنت کا نقشہ
کھیچیا سے جو اس نے سُپنا میں دیکھی،
اس کے واسطے سرگ دھام کا لفظ
استعمال کریا سے، جنت کا نقشہ کمال
گیلے بیان کریا ممتاز میر نے، اپنی
شاعری گیلے واجنت کی ایک ایک چیز

بیان کرے سے، ملٹن نے بھی شیطان
کا کردار استعمال کر کے جنت کا نقشہ
کھیچیا سے"۔

سوباتاں کی ایک بات ، ہریانوی نثر کا وا کام جو پاکستان بنن کے بعد رک گیا تھا، ایک دم سے سپر سانک طیارے کی ڈھال پھیر سے چال پڑیا سے۔ اس وقت ہریانوی میں شاعری، افسانہ، ناول، تنقید، ترجمہ، تحقیق پر گھنا ء ، کام ہوریا سے، جس میں آن آلے وقتاں میں اور بھی بڑھوتری دکھے گی۔ لکھیا بھی جاوے گا ار چھاپیا بھی جاوے گا۔

حوالہ جات

1۔ مقالاتِ حافظ محمود شیرانی مرتبہ مظہر محمود شیرانی، ناشر مجلسِ ترقی ادب لاہور

2۔ قادری، حامد حسین، داستانِ تاریخ اُردو، ناشر لکشمی نرائن اگروال، آگرہ، 1941ء

3۔ مرزا، خلیل احمد، اطلاقی لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گرھ، 2008ء

4۔ مقالاتِ حافظ محمود شیرانی مرتبہ مظہر محمود شیرانی، ناشر مجلسِ ترقی ادب لاہور

5۔ قاسم محمود، سید، انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا، الفیصل ناشران، لاہور ، 2004ء، ص 470

6۔ یٰسین، صوبیدار، ہیرے اور کنکر، قائم خانی ریسرچ سنٹر، بستی ملوک، لودھراں، 2001ء، ص 144

7۔ منظور الحق، صدیقی، ہادیِ ہریانہ، حرا پبلشرز، لاہور، 1993ء، ص 129

8۔ مرزا، اختر، ہریانوی زبان اور عصر حاضر مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، ملتان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021ء، ص 10

9۔ نثار احمد، کنور، انمول رتن، ہریانہ اُردو اکیڈمی، لودھراں، ڈانوراں، پاکستان، 1996

10۔ یٰسین، صوبیدار، ہیرے اور کنکر، قائم خانی ریسرچ سنٹر، بستی ملوک، لودھراں، 2001ء، ص 259 تا 269

11۔ ظفر زیدی، میراظہار کے دریچے، مکتبہ آزاد ہاؤس، بہاولپور، 2005ء، ص 96

12۔ مہدی حسن راؤ، کرنل (ر)، گاؤں کی گوری، راجپوت بک فانڈیشن، لاہور، 2000ء، ص 29

13۔ مہدی حسن راؤ، کرنل (ر)، گاؤں کی گوری، راجپوت بک فانڈیشن، لاہور، 2000ء، ص 29

14۔ مہدی حسن راؤ، کرنل (ر)، گاؤں کی گوری، راجپوت بک فانڈیشن، لاہور، 2000ء، ص 31

15۔ مہدی حسن راؤ، کرنل (ر)، گاؤں کی گوری، راجپوت بک فانڈیشن، لاہور، 2000ء، ص 47۔48

16۔ مہدی حسن راؤ، کرنل (ر)، گاؤں کی گوری، راجپوت بک فانڈیشن، لاہور، 2000ء، ص 49

17۔ مہدی حسن راؤ، کرنل (ر) ، گاؤں کی گوری، راجپوت بک فانڈیشن، لاہور، 2000ء، ص 50

18۔ مہدی حسن راؤ، کرنل (ر) ، گاؤں کی گوری، راجپوت بک فانڈیشن، لاہور، 2000ء، ص 50۔ 51

19۔ عمران اختر، مقالہ برائے پی ایچ ڈی بعنوان خطہ ملتان کی مختلف زبانوں کا لسانی مطالعہ، 15-2011ء، بہا الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

20۔ صابر علی ، دوہا نگاری میں ہریانوی اور اُردو لسانی اشتراک، مقالہ برائے ایم فل ، اُردو 2017-2016ء، NCBAبہاولپور، ص 15

21۔ صابر علی ، دوہا نگاری میں ہریانوی اور اُردو لسانی اشتراک، مقالہ برائے ایم فل ، اُردو 2017-2016ء، NCBAبہاولپور، ص 24

22۔ نجمہ عثمان راؤ، ہریانوی لوک کہانیاں، انتخاب و تجزیہ، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، 18-2016ء، برائے ایم، فل اُردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ص 30-29

23۔ نجمہ عثمان راؤ، ہریانوی لوک کہانیاں، انتخاب و تجزیہ، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، 18-2016ء، برائے ایم، فل اُردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ص 21-22

24۔ مرزا، اختر، ہریانوی زبان اور عصر حاضر مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، متلان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021، ص 10

25۔ رحمت علی، راؤ، مراٹ، راؤ انٹرپرائزز، 2006ء، ص 22

26۔ رحمت علی، راؤ، مراڑ، راؤ انٹرپرائزز، 2006ء، ص 1-2

27۔ رحمت علی، راؤ، مراڑ، راؤ انٹرپرائزز، 2006ء، ص8

28۔ رحمت علی، راؤ، مراڑ، راؤ انٹرپرائزز، 2006ء، ص 35

29۔ مہدی حسن راؤ، کرنل (ر) ، گام کی چھوری، راجپوت بک فاؤنڈیشن، لاہور، 2004ء، ص 265-264

30۔ قاصر، نوشاد، پاکستان میں ہریانوی زبان کا سفر مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، ملتان ، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021، ص 4

31۔ مرزا، اختر، ہریانوی زبان اور عصر حاضر مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، متلان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021، ص 9

32۔ مرزا، اختر، ہریانوی زبان اور عصر حاضر مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، متلان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021، ص 10

33۔ احمد سجاد بابر، کُلی لُگائی مشمولہ سہ ماہی نوہرہ ، ملتان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021ء، ص 36

34۔ صابر علی، جیون جوگا مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، ملتان،مدیر رانا تصویر احمد ، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021، ص 38

35۔ تصویر احمد، نوشاد قاصر، افسانہ تیور مشمولہ پیلوں 19، جولائی تا ستمبر 2017ء، مدیر انوار احمد، ملتان، ص 260

36۔ مرزا، اختر، ہریانوی کہاوتیں، مشمولہ پیلوں، شمارہ 22، مئی تا اگست ، مدیر انوار احمد، ص 365

37۔ مرزا، اختر، افسانہ بھولا، ہریانوی ترجمہ مشمولہ پیلوں، شمارہ 22، مئی تا اگست 2018ء، مدیر انوار احمد، ص 370

38۔ مرزا، اختر، بڈے گھر کی بیٹی(افسانہ) مشمولہ ماہی نوہرہ، ملتان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021ء، ص 48

39۔ راؤ، نجمہ عثمان، سویرے جو آنکھ میری کھلی، مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، ملتان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021ء، ص 54

40۔ وارثی، زاہد، "جناوراں کی بستی" سے اقتباس۔ وٹس ایپ چیٹ سے منقول۔ غیر مطبوعہ افسانہ

41۔ وارثی، زاہد "جناجے آلی کھاٹ" سے اقتباس، وٹس ایپ چیٹ سے منقول۔ غیر مطبوعہ افسانہ

42۔ راؤ، نجمہ عثمان، مراڑ، تنقیدی جائزہ، مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، ملتان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021ء، ص 25

43۔ آکاش مغل، تراجم افسانچے، مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، ملتان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021ء، ص 67-66

44۔ چوہان، اکبر علی، مھارے گام، مشمولہ سہ ماہی نوہرہ، ملتان، مدیر رانا تصویر احمد، شمارہ 1، جولائی تا ستمبر 2021ء، ص 75

45۔ صابر علی صابر، ممتاز میر وجان ملٹن میں شعری مماثلت، غیر مطبوعہ مضمون

کنور نثار احمد - ہریانوی ادب و تاریخ کے نامور پرچاک

احمد سجاد بابر

مکمل اور مطمن زندگی جینا صرف خدمت خلق کی بدولت ہی ممکن ہے کہ انسان چلے تو سارے زمانے کو ساتھ لے کر چلے، سوچے تو اجتماعیت کے ساتھ، جئے تو سب کے لئے جئے۔۔۔اسی سوچ کے مجسمے پیکر، ہریانی زبان کے علمبر دار، راجپوت ثقافت کا سبق دینے والے، عمر بھر راجپوت تاریخ کو کتابوں میں ڈھالنے والے کنور نثار احمد 17 مارچ 2010 کو مٹی کے پیکر سے رخصت ہوئے تو ان کے چہرے پر وہ ملکوتی سکون تھا جو صرف ان لوگوں کے چہرے پر ہی ممکن ہوتا ہے جنہوں نے اک اک سانس معاشرے اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے بتائی ہو، کنور نثار احمد ایک فرد نہیں ایک تحریک تھے، ایک تفکر تھے، آپ ان افراد میں سے تھے جن کے لئے "ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ" کا مصرعہ بنا، آپ حلقہ یاراں میں ریشم اور رزم حق و باطل میں فولاد تھے، آپ بات کے دھنی اور قول کی پکے تھے، آپ اکثر کہتے تھے کہ دھکا دے دو دھو کہ نہ دو اور انہوں نے یہ ثابت کر کے دکھایا، آپ سادہ رہے اور سادگی کا درس دیا، آپ دوسروں کے لئے جئے، زمیں پر رہے اور آسماں کی بات کی، اپنے گھر کے ننھے چراغ کو سورج سے برتر جان کر مطمن رہے۔۔۔
۔۔۔1940 میں بوانی کھیڑہ ضلع حصار میں آنکھیں کھولنے والے کنور نثار احمد نو عمری میں ہجرت کر کے اپنے والدین کے ہمراہ لودھراں کے نواحی گاؤں ڈانوراں آ ٹھہرے، تعلیمی سلسلہ چلتا رہا اور آپ نے ایم اے، بی ایڈ، ایل ایل بی کرنے کے بعد لودھراں میں ہی بطور

وکیل اپنے کیریئر کا آغاز کر دیا۔ ایک قانون دان کی حثیت سے آپ نے بہت نام کمایا اور آپ کا شمار لودھراں کے ناموراور ایماندار وکلا میں ہوتا تھا۔
راجپوت ادب، تحقیق آپ کی شخصیت کا نمایاں حصہ تھا، بطور محقق آپ کی پہچان پاکستان کے علاوہ ہندوستان کے بام دور تک تھی اور اس کی وجہ علم و تحقیق سے مزین آپ کی پانچ شاہکار کتب تھیں۔ آپ کی پہلی تصینف کا موضوع مشرقی پنجاب سے ہجرت کے واقعات تھے۔۔۔ کس پر کیا بیتی۔۔۔ کون کیسے آیا۔۔۔ کشت و خون کے دریا کیسے عبور کئے وغیرہ۔ کتاب کا نام "جب پاکستان بنا" تھا۔ آپ نے الگ الگ ابواب میں دہلی ،کرنال، الور، بوانی، بھوانی، رہتک، حصار، ہانسی، لوہاری، مالکہ سوانہ، بلیالی، دھول کوٹ، کپور تھلہ، ریواڑی، گھرونڈہ، کلانور وغیرہ کے احوال مفصل بیان کئے، یہ بجا طور پر گم گشتہ یادوں کو وقت کی دھند میں گم ہونے سے بچانے کی ایک کوشش تھی۔۔!! واقعات کی تحقیق کے لئے آپ کئے بار انڈیا گئے ،وہاں پر ان واقعات کے چشم دید گواہوں، زندہ کرداروں سے انٹرویو کئے، لٹریچر چھانا اور پھر یہی طریقہ کار پاکستان میں اختیار کیا جس کی وجہ سے اس تحقیقی شاہکار کی صحت اور سچائی مسلمہ ہو گئی۔۔ چونکہ یہ تخلیق محض ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر نہیں کی گئی بلکہ اس کے لیے دشت نوردی گئی تھی، اسی وجہ سے نیشنل بک فاؤنڈیشن نے اسے ریفرنیس بک قرار دیا جو بجا طور پر آپ کے فن کا اعتراف تھا، آپ کی دوسری تصنیف "پھر ساون آیا رے" راجپوتی کلچر پر تھی، جس میں آپ نے ساون کے موسم میں ہریانہ میں ہونے والی ہلچل، رسمیں، پہناوے، پکوان کھیل ، گیت اور ثقافت کو تفصیل سے بیان کیا۔ اس کے لئے آپ نے بزرگوں سے انٹرویو کیے، ان سے اُس دور کے گیت، کہاوتیں، راگنیاں اکٹھی کیں اور بیان کیا کہ جب ساون کی جھڑی لگتی تو لباس اور کھانوں میں کیا تبدیلیاں آتیں، کونسے گیت گائے جاتے۔ وصل، ہجر، تڑپ کے کونسے گیت بے اختیار ہونٹوں پر آجاتے۔۔۔ یہ شاہکار تصنیف اس

وجہ سے بھی سرمایہ ہے کہ اس موضوع پر پاکستان میں یہ واحد کاوش ہے،ان معلومات کو یکجانہ کیا جاتاتو یہ بزرگوں کے ساتھ ہی خاک میں جاملتی تھیں۔۔۔ہندوستان کے مشہور ناول نگار کشمیری لال ذاکر نے خاص طور پر تحسینی الفاظ ارسال کیے کہ جس کام کے لئے ہندوستان میں ادارے مصروف کار ہیں وہ آپ تن تنہا کئے جارہے ہیں۔۔!!

آپ کی تیسری تصنیف انمول رتن ہے جس میں مشہور دوہانگاروں جیسے تلسی داس، گرونا نک بھگت کبیر،امیر خسرو کے علاوہ آپ کااپنا کلام بھی شامل ہے۔اس کے

علاوہ ہریانوی ضرب الامثال اور محاورے تشریح کے ساتھ شامل ہیں۔آپ کا نمونہ کلام حاضر ہے

سنسار سرائے پل دو پل کی کاہے کو اترانا
رین بھون کو چھوڑ کے آخر امر بھون کو جانا
جوڑی بچھڑی نہ بھلی اور بھلانہ جیون کال
ماں بھلی نہ پوت بنااور بنا گود کے لال
پہلا جادورُوپ اور دوجا جادو راگ
تیجا جادو لکشمی اور چوتھا جادو بھاگ

کچے گھر کو گھر کہیں پکے گھر کو گور
پکے گھر کو جب کوئی جائے،لوگ مچائیں شور
سولی سوکن ایک برابر جو ترت نکالیں جان
سوکن سے تو سولی بھلی،جان سکے تو جان
مانگن سے موت بھلی،مانگ کبھی نہ بھیک
مانگن گیا سو مر گیا، بھیک کبھی نہ ٹھیک

ماٹی کے مرے گھر گھروندے، مائی کا میں
مائی میں جب ماٹی مل جائے، مائی بن جائے آپ

آپ کی چوتھی تصنیف "راجپوتی رسم ورواج" بھی ایک منفرد موضوع پر اچھوتی کاوش تھی، اس موضوع پر پاکستان میں پہلی تصنیف محققین نے بے حد سراہا۔۔ ناقدین نے اسے جمود توڑنے والا تازہ ہوا کا جھونکا قرار دیا اور ریسرچ سکالرز نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس شاہکار میں راجپوتوں کے مختلف رسوم، روایات کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا جن میں شادی، مرگ، خوشی، غمی، جنگ، تہوار، پیدائش کھیل تماشے، مامتا، دوستی، دشمنی وغیرہ جیسے مواقع کے رواج شامل کئے گئے نیز مروجہ اور متروک رواجوں کی درجہ بندی بھی کی گئی۔ آپکی پانچویں تصنیف "تاریخ بوانی کھیڑہ، ڈانوراں، بلیالی سوانی مع مستند شجرہ جات" تھی جس کے لیے آپ کو کئی دفعہ انڈیا جانا پڑا کیونکہ وہاں شجرہ نویس کا کام سرکاری سرپستی میں ہوتا ہے شجرہ مرتب کرنے اور ریکارڈ رکھنے والوں کو "جاگئے" کہتے ہیں اور ان کی گواہی باقاعدہ عدالت میں تسلیم کی جاتی ہے، وہ حضرات بھی بڑی سے بڑی ترغیب کو ٹھکرا دیتے ہیں مگر اپنے پیشے کا تقدس بھی مجروح نہیں ہونے دیتے۔ کنور نثار احمد نے اس تصنیف میں نہ صرف شجرہ جات بلکہ اپنے سابقہ گاؤں" بوانی کھیڑہ" اور حالیہ گاؤں "ڈانوراں" بلکہ بلیالی او سوانی کی مفصل تاریخ بھی بیان کی جو راجپوتوں کے مشہور گاؤں تھے۔ آنے والی نسلیں آپ کا یہ قرض کبھی نہیں اتار سکتیں کہ جب وہ اپنی شناخت کے لئے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہوں گے تو کنور نثار احمد کی تصانیف چراغ سر را ہگذر کی مثل ان کو راستہ دکھائیں گی۔۔!!

کنور نثار احمد کا ایک اور اہم کارنامہ ہریانوی گیتوں، ڈراموں کو وڈیو کی شکل میں محفوظ کرنا بھی ہے آپ نے منتخب گیتوں کو CD پر "امر گیت" کے نام سے ریلیز کروایا اور اسے ہندوستان بھی بھیجا جہاں آپ کے کام کو بے حد سراہا گیا۔ آپ مختلف رسائل و جرائد کے

مشاورتی اور ایڈیٹوریل بورڈ کا حصہ بھی رہے جن میں " راجپوت فیملی کراچی ، پیام راجپوت کراچی، جہانِ راجپوت لاہور، راجپوتاں بہاولپور وغیرہ" نمایاں نام تھے۔ آپ اپنے کام کی بدولت ہر فورم پر جانے جاتے تھے، آپ کا مقولہ Live simple,think high" تھا اور آپ اس کی زندہ تفسیر تھے، اجتماعی سوچ آپ کا وصف تھا جس کا سب سے بڑا ثبوت عمر بھر اپنی شناخت، اپنے کلچر کے لئے جدوجہد تھی، اپنے گاؤں میں 1970 میں گھر گھر چندہ جمع کر کے ماڈل ہائی سکول کی بنیاد رکھی جس سے اس دور میں کئی بیچ میٹرک کرنے میں کامیاب رہے، بعد میں یہ ادارہ حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ ڈانوراں ہائی سکول میں 5 کنال زمین عطیہ کی اور آج یہاں تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھاتے ہیں، سکول 37 لاکھ کی گرانٹ زمیں کی کمی کے باعث واپس ہوئی تو آپ اس گرانٹ کو واپس لائے اور ایک بار پھر زمین عطیہ کی۔۔۔ غرضیکہ آپ اجتماعیت کے پیکر تھے۔۔!!

ایک وقت وہ تھا جب رابطے مشکل تھے، سفر لمبے اور راستے کچے، ٹوٹے پھوٹے تھے، معلومات تک رسائی دشوار تھی، لوگ خطوط کے ذریعے حال دل سناتے تھے۔ اس دور میں کنور نثار احمد نے اپنی زبان کا سوچا، اس کے لئے لٹریچر جمع کرنے کا عزم کیا، چاروں جانب اندھیرا تھا، معلومات ناپید تھی تعلیم اور شعور کی کمی تھی، وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ آپ نے قلم اٹھایا اور شاہکار تصانیف تخلیق کرتے چلے گئے۔ آپ نے پاک وہند کے طول و عرض میں سفر کیا۔ درد دل رکھنے والے ہم خیال جمع کئے۔ آپ کا منصوبہ سانگیوں اور جوگیوں کا صدری علم کتابی شکل میں محفوظ کرنے کا تھا۔ اس کے لئے آپ نے ہریانہ اردو اکیڈمی ، ڈانوراں کی بنیاد رکھی اور اس کے پلیٹ فارم سے ڈانوراں (لودھراں)، دنیاپور، بہاولپور، ترگڑھ (بستی ملوک) میں ہریانوی ادبی سنگت کے نام سے سر سنگیت سے متعلقہ ہریانوی لوک فنکار جمع کئے اور ان پروگراموں کی ویڈیو ریکارڈنگ

کی،ان کی کارروائی کتابچے کی شکل میں شائع بھی کی گئی۔ان فنکاروں کو نقد انعام سے نواز کر اس دم توڑتے فن کو سانسیں پھونکیں۔ان محفلوں میں ہریانوی لوک فنکاروں کا ہر چھوٹا بڑا نام شامل ہوا۔بلاشبہ یہ ایک عظیم منصوبہ تھاجوان کی بیماری اور صحت کے مسائل کی وجہ سے ادھورارہ گیا۔آپ نے سندھی لوک داستان "عمر ماروی" کو بھی ہریانوی کے قالب میں ڈھالنے کا کام شروع کیا، جوادھورارہ گیا۔آپ PTV پر ہریانوی پروگرام شروع کروانے اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں ہریانوی کو بطور زبان شامل کروانے کے لئے بھی کوشاں رہے۔کئی بار اسلام آباد گئے

اور اعلی حکام سے ملے لیکن رکاوٹ ایک ہی رہی کہ ہمارے پاس مطبوعہ مواد نہیں تھا، اس کے بعد کنور نثار احمد نے تحریر و تقریر کی صورت میں ہریانوی مواد جمع کرنے کا عزم کیا۔

اب ہر طرف انفرادیت کا عفریت ناچ رہا ہے۔۔!! دن اور رات ایک دوسرے کا تعاقب کرتے رہیں گے، موسم بدلتے رہیں گے، وقت آگے کو رواں رہے گا، دھوپ اور چھاؤں کی آنکھ مچولی جاری رہے گی مگر اب کوئی کنور نثار احمد راجپوتوں کو میسر نہیں آئے گا جنہوں نے اپنی زبان اور ثقافت کے تحفظ کے لئے اپنی ایک ایک سانس کا قرض اتارا۔۔!!

کوئی تو پرچم لے کر نکلے اپنے گریباں کا جالب
چاروں جانب سناٹا ہے دیوانے یاد آتے ہیں

"سانگ" تھیٹر/ڈرامہ کی خشت اول

رانا تصویر احمد

پاکستان میں ہونے والی تمام مردم شماری جو 1951ء سے شروع ہوئی اور 2017ء تک کی تمام مردم شماریوں کے ریکارڈ کے مطابق میری ماں بولی ہریانوی سے وابستہ ایک بھی فرد سرکاری ڈیٹا پر موجود نہیں ہے لیکن زمینی حقائق اس سے قدرے مختلف ہیں۔ قیام پاکستان میں تبادلہ آبادی کی صورت میں سب سے زیادہ افراد کی زبان یا تو پنجابی تھی یا ہریانوی تھی کم و بیش 80 لاکھ سے ایک کروڑ کے لگ بھگ مہاجرین ہجرت کر کے پورے ملک میں آئے۔ ان لوگوں کی تیسری چوتھی نسل اب کسی صورت میں بھی تین سے ساڑھے تین کروڑ لوگوں سے کم نہ ہے۔ لیکن سرکاری کاغذوں میں انہیں کبھی اردو سپیکنگ بتایا گیا اور کبھی پنجابی لکھا گیا۔ اپنی تہذیب و ثقافت، بودو باش، زبان، رہن سہن، پہناوا تقریبات اور ادب میں ایک بہت بڑی تعداد نے اب تک اپنی صدیوں پرانی تہذیب کو گلے سے لگایا ہوا ہے۔ ہریانوی زبان کے بارے میں ایک عمومی مغالطہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ یہ ہمسایہ ملک کے ایک صوبہ کے رہنے والے لوگوں کی زبان ہے۔ لیکن جب ادب تحقیق اور تاریخ کا طالب علم اس کی ٹوہ میں نکلتا ہے تو یہ تہذیب ہمیں ہزاروں سال پر محیط نظر آتی ہے۔ لفظ "ہرے" اس کا ماخذ ہے جس سے مراد خوش حالی۔ ہریالی زندہ جاوید ہے۔ جو آپ نے بھی بارہا "ہرے راما" ہرے کرشنا" کی صورت ضرور سنا ہوگا اس کی قدامت اتنی ہی ہے جتنا قدیم ہندو مت یا ہندوستان کی معلوم تاریخ ہے۔ تاریخ میں

یہ مختلف ناموں سے زندہ رہی ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ اس حال میں موجود تمام حاضرین اس کے تمام ناموں سے آشنا ہیں برج بھاشا۔ کھڑی بولی، شور سینی اپ بھرنش، مغربی اور وسطی ہندی آریائی دور جو کہ 500 قبل مسیح سے 1000 سنہ عیسوی تک کی آخری یادگار ہے۔ جب آریا اس خطہ میں آئے تو اس زبان کو اپنا یا اور نام "پراکرت" نے جنم لیا۔ پراکرت سے مراد پرائے لوگوں کی زبان۔ آپ بھرنش عام لوگوں کی زبان تھی اس میں گیت گائے جاتے تھے روز مرہ کے استعمال کی زبان تھی۔ اور اس نے پراکرتوں کے متبادل کی صورت میں ترقی یافتہ شکل اختیار کرلی تھی۔ اور قدیم ہندوستان کے وسیع علاقہ پر بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ یہ تمام قدیم زبان اور لہجے 1000 سنہ عیسوی تک پہنچتے پہنچتے بہت سے لب و لہجوں اور بولیوں کو جنم دے چکے تھے۔

زبانوں کے اس تغیر و تبدل کے دور میں یہ کھڑی بولی پھر ہندوی، اور پھر ہندی زبان بن گئی۔ فارسی زبان کی فصاحت و بلاغت کے دور میں بھی اس نے اپنی بقا کو محفوظ رکھا اور فورٹ ولیم کالج کے دور نے اس پر ہندی اور اردو کی مہر ثبت کر دی۔ مسعود حسین خاں، حافظ شیرانی، سہیل بخاری، گیان چند جین، کشمیری لال ذاکر، انصار اللہ قاسم محمود، مرزا خلیل اور دیگر بہت سے ماہرین لسانیات نے ہریانوی زبان کے کسی نہ کسی گوشہ کو اردو کا ماخذ بتایا ہے۔ اردو کی کلاسیک میں سے اگر ہم ہریانوی کو نکال دیں تو شاید ہی کوئی عبارت مکمل ہو۔

تیسری صدی قبل مسیح کے آخری اور چوتھی صدی قبل مسیح میں ہمیں اس خطہ کی قدیم ترین تاریخ کے شواہد نظر آنا شروع ہوتے ہیں۔ چندر گپت موریہ کا دور 298 قم سے 322 قم کا دور، کوٹشلیہ چانکیہ کی دانش میں بھی ہمیں اس زبان کا رس اور رنگ ملتا ہے۔ اس دور میں ہمیں تھیٹر کی ابتدائی شکل ملتی ہے۔ ایک شکار کی داستان کو درباری مسخروں نے جب پرفارم کر کے راجہ کو دکھایا تو اس دور کو ہم تھیٹر کی خشت اول

کہہ سکتے ہیں۔ جب شکار کی داستان کو اس دیدہ زیب انداز میں پیش کیا گیا تو دربار میں موجود راجہ اور رعایا نے خوب سراہا۔ آہستہ آہستہ یہ پرفارمنس کا انداز دربار میں مستقل جگہ بنا گیا۔ اس دور کے تمام تخلیق کار، اہل دانش اور درباری مسخرے اس فن سے روشناس ہوتے گئے۔ آغاز میں یقینی طور پر اس میں بازاری جملے، ستائش، شامل رہے ہونگے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ فن جب صاحبان دانش کے ہاتھ لگا تو اس میں جدت اور حسن آرائی شامل ہونے لگی۔ یہ ایک فن کی صورت اختیار کر گیا۔ تمام تہوار، جنگ سے پہلے کی تیاریوں میں فتوحات کے جشن، اس فن سے سجائے جانے لگے۔ آغاز میں اس کا نام "سانگ"، مخصوص ہو گیا۔ وقت چلتا رہا دوار بدلتے رہے۔ سانگ کی ابتدائی شکل میں پختگی آتی گئی۔ پہلے ایک یا دو لوگ مکالمہ کی صورت میں مدعا بیان کرتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ٹیم کی صورت میں پیش کیا جانے لگا۔ ریاستوں کی شکل بدلی۔ تہذیب و ثقافت میں تبدیلیاں آتی گئی۔ یہ فن درباروں سے نکل کر عوامی شکل اختیار کرتا گیا۔ کچھ خاندان مخصوص ہو گئے۔ قدیم ہندوستان میں جیسے زبان نے سفر اختیار کیا سانگ کی روایت میں تبدیلی اور جدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ عوام میں پذیرائی ملنے لگی۔ فن کی ساخت مزین ہونے لگی۔ سر والٹر لارنس اور دیگر برٹش مصنفین کی کتابوں میں ان سٹریٹ تھیٹرز کا ذکر ملتا ہے۔

"بھانڈ" سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی نقل، طربیہ، تمثیل کے ملتے ہیں سانگ کی ابتدائی شکل میں یہ فن محض مزاح یا محفل میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے رچایا جاتا تھا لیکن وقت نے اسے بہترین تخلیق کاروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ گاؤں دیہات کے میلوں میں مذہبی رسومات میں شادی بیاہ کی محفلوں میں، رت جگے کی صورت میں سانگ ایک لازم و ملزوم حصہ بن چکا تھا۔ بھرت منی کے "نٹ شاستر" میں تھیٹر کے بنیادی اصول و ضوابط متعین کر دیئے گئے۔ سانگ کی بنیادی تاریخ کے دنوں میں ہی

شاعری اس کا لازمی جزو بننا شروع ہو گئی تھی۔ شاعری کی پختگی نے ڈائیلاگ کے ساتھ مل کر مکالمہ میں جان پیدا کر دی۔ اور لوگوں کے فن نے اسے عروج دیا۔ بہترین فن کار قرب و جوار سے ان ٹیموں کا حصہ بننے لگ گئے ۔ کردار منتخب کئے جانے لگے بنیادی موضوعات میں مذہب ، حب الوطنی ، جنگ ، حسب نسب ، شجاعت و بہادری شامل رہے عوام کی طلب کے پیش نظر معروف رومانوی داستانیں بھی موضوعات میں شامل ہونے لگیں۔ جب سانگ میں عوامی موضوعات شامل ہوئے تو پذیرائی دوچند ہو گئی۔ پندرھویں ، سولہویں صدی میں ان سانگ یا ڈراموں کا ذکر ہمیں آج بھی ملتا ہے۔ خاص طور پر نندرشی، اور شیخ نورالدین کی شاعری میں نمایاں رنگ ملتا ہے۔ 1855ء میں اودھ کے نواب واجد علی شاہ نے اپنے محل میں آغا حسن امانت کا ڈرامہ "اندرسبھا" رچا گیا۔ اس دور تک باضابطہ طور پر اسٹیج بنایا جانے لگا۔ ٹیم کے مکالموں پر توجہ ہوئی۔ زرق برق لباس اور میک اپ کی صورت میں فن کار پیش کئے جانے لگے۔ جب اس قدر تیاری کے ساتھ ڈرامہ پیش کیا جانے لگا تو عوام کی واحد تفریح کا درجہ حاصل کر لیا۔ یہ دور ڈرامہ یا سانگ کا عروج قرار دیا جا سکتا ہے۔

کالی داس جسے ہندوستان کا شیکسپیئر بھی کہا جاتا رہا ہے "شکنتلا" تخلیق کیا اس ڈرامہ نے اس عہد میں نئے اصول و ضوابط متعین کر دیئے۔ پھکڑ پن سے کہانی کو مرکزی اہمیت ملنا شروع ہو گئی۔ ریاستیں ، حکومتیں بدلتی گئیں لیکن "سانگ" اس دور کے ہر معاشرہ میں عوام کی خدمت بن گیا۔ اور سانگ کی دو اقسام میں یہ فن تقسیم ہو گیا۔

۱۔ کیرتن انداز

۲۔ نوٹنکی انداز

اس دور کے سانگ پیش کرنے والے چند نام ایسے ہیں جنہیں کسی صورت بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ دیپ چند باہمن جو کھانڈا سونی پت سے تعلق رکھتے تھے۔

ان کو اپنے وقت کا کالی داس کہا جاتا ہے۔ انہوں نے علی بخش کے طریقہ سانگ کو چار چاند لگائے۔ معاشرہ میں موجود تمام قابل ذکر کردار، کہانی، صورت حال، فتوحات، عشق کی داستانیں اہم موضوعات بن گئے۔ ہر طرح کے تجربات کیے جانے لگے۔ اسٹیج پر اداکار پیش ہوتے کچھ چپ اداکار اپنی فن کاری سے توجہ حاصل کرتے پس پردہ آواز ان کے کرداروں کو اجاگر کرتی۔ مکالمہ مکمل طور پر نظمیہ انداز میں پیش کیا جاتا۔ ہر کردار تحت الالفظ میں اپنے مکالمے ادا کرتا۔

نئی شاعری تخلیق ہونے لگی اور پہلے سے موجود شاعری کو ضرورت کے مطابق ڈھال لیا جاتا اور کرداروں سے ادا کرایا جاتا۔ راگنی کی صنف جو اس قت تک سانگ کا لازمی حصہ بن چکی تھی، اس صنف نے سانگ کی روایت کو بام عروج تک پہنچا دیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران اور بعد میں دیپ چند باہمن کا طوطی بولتا تھا۔ انگریزی سرکار نے انہیں "رائے صاحب" کا خطاب بھی نوازا۔

راگنی کے ساتھ ساتھ موسیقی کے آلات نے اسٹیج پر اپنی جگہ بنائی جب ساز و آواز کے سنگم کے ساتھ مکالمے اور کردار سامنے آئے تو تھیٹر کی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا۔ اس دور کی تخلیق شدہ راگنیاں، ردھم، اور کمپوزیشن آج تک لوگوں کے پاس محفوظ ہیں۔ یہ سلسلہ نسل در نسل چل نکلا۔ کشن لال بھاٹ کا دور کم و بیش دو سے اڑھائی سو سال قدیم ہے۔ لیکن اس دور کے فولک تھیٹر کا موجد انہیں بھی تصور کیا جاتا ہے۔

کوی شنکر داس جو کہ خود شاعر اور اداکار بھی تھے ایک اور بڑا نام ہے۔ میرٹھ سے تعلق ہے۔ علی بخش کا تعلق ریواڑی سے تھا۔ یہ بھی ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ انہوں نے بھی لازوال سانگ سجائے۔ فاسانائی۔ آزاد، پدماوت وہ شاندار کھیل ہیں جنہیں رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ ان میں موسیقی کے تجربات جن میں خیال، ٹھمری، دادرا، کو چار چاند لگائے گئے۔ عمومی طور پر رات میں پرفارم کئے جانے لگے۔

روشنی کے لیے کرداروں کو مشعل اور لالٹین سے سجایا جانے لگا۔اس سنہرے دور کے یہ تخلیق کار سانگ اور تھیٹر کے اصل موجد گردانے جاتے ہیں۔

پنڈت دیپ چند باہمن

پنڈت لکھمی چند

مہر سنگھ جاٹ

باجے بھگت (باجے نائی)

پنڈت مانگے رام

پنڈت رام کشن ویاس

مغلیہ دور میں خواتین کی سٹیج پرفارمنس پر پابندی تھی، لیکن کسی بھی کھیل میں نسوانی کردار کے بغیر نہ کہانی سجتی ہے نہ عوام کو مکمل تفریح میسر آتی ہے۔اس پابندی کے سد باب کے لیے مردوں نے میک اپ اور زنانہ لباس سے پورا کیا۔خداداد صلاحیتوں والے فن کاروں نے اس شعبہ میں بھی جھنڈے گاڑ دیئے۔اس صدیوں پرانے فن میں کچھ ایسے لازوال فن کار بھی پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے جب کسی نسوانی کردار میں رنگ بھرے تو دیکھنے والوں کے تصور میں وہ ادائیں اور فن نقش ہو گیا۔اس سنہرے دور کی لازوال داستان ہمارے ادب کے گم شدہ اوراق ہیں۔

فن ثقافت کے ان روشن میناروں میں سے ایک نام لکھمی چند کا بھی ہے۔ انہیں بے شمار خطابات سے نوازا گیا۔"پنڈت"۔"دادا"۔"ہریانہ کا کالی داس""سوریا کوی"(شاعری کا سورج)اور نہ جانے کتنے ناقابل فراموش کردار اس تخلیق کار نے پیش کئے۔ جس طرح موسیقی میں آج گھرانوں نے نام سے لوگ اپنی شناخت کراتے ہیں۔ ایسے ہی سانگ اور تھیٹر کی روایت میں پنڈت لکھمی چند کے گھرانہ کی اہمیت ہے آج تک کا تخلیق کار بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اس فن سے وابستہ اور لکھمی چند کے شاگرد

خاندانوں کی نسل کی باقیات اس وقت ملتان نالہ ولی محمد کے محلہ میں کسمپرسی کی حالت میں زندہ ہے۔پنڈت لکھمی چند کے چند شاہکار ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ راجہ ہریش چندر ۲۔ شاہی لکڑہارا

۳۔ جانی چور ۴۔ سیٹھ تاراچند

۵۔ سقے وان ساوتری ۶۔ ہیر رانجھا

۷۔ چاپ سنگھ سوموانی ۸۔ راجہ گوپی چند

۹۔ بھوپ پرنجن ۱۰۔ میرا بائی

۱۱۔ پورن مل بھگت ۱۲۔ ہیرا مل جے مل

۱۳۔ رگھوبیر دھرم کور ۱۴۔ چندر کرن

۱۵۔ پھول سنگھ نوٹانی ۱۶۔ کیچک

۱۷۔ دروپدی ۱۸۔پدماوت

سانگ کی اس روایت میں آغا حشر کا نام بھی اہم ستون کے طور پر نظر آتا ہے۔ آغا حشر کے ڈراموں نے پارسی تھیٹر کو پیش کیا ان کے تخلیق کردہ کھیل "بلوا منگل" اور "نیک پروین" نے یعنی اس رویت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ جس طرح سارنگ کی روایت کے پیش نظر ہم نے پہلے لکھاری، ہدایت کار، تخلیق کاروں کو زیر

بحث لائے ہیں ایسے چند اہم فن کار جو اس روایت میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ان کے نام بھی پیش کرتا ہوں۔طوالت کے پیش نظر محض ان کے ادوار اور نام کا ذکر کروں گا۔

چتن شرما	تیرھویں صدی
بالمکونڈ گپت	سولہویں صدی
گردھار	سولہویں صدی
شیو کمار	سولہویں صدی
کشن لال بھانڈ	سولہویں صدی
سعداللہ	1760کے دوران
بنسیال	1802کے دوران
اجرم	1819کے دوران
پنڈت بستی رام	1958-1841
احمد بخش	1800-1850
علی بخش	1854-1899
ہیرا داس اداسی	1816کے دوران
تاؤ سانگی	1878کے دوران
ہردیوا سوامی	1884-1926
من سنگھ براہمن	1955-1885
پنڈت میرام	1886-1964

سورج بھان ورما	1889-1942
پنڈت شادی رام	1889-1973
پنڈت سروپ چند	1890-1956
پنڈت نیت رام ڈورنگ	1890
باجے بھگت	1898-1936
پنڈت ہرکشن	1898-1936
پنڈت ناتھورام	1902-1990
پنڈت لکھمی چند	1903-1945
شریرم شرما	1907-1966
پنڈت رگھوناتھ	1922-1977
پنڈت تیج رام ڈورنگ	1931
بھارت بھوشن ڈورنگ	1932
بنوری لال سیٹھ	1932-1983
جھمن لال	1935
مہاشے سرپل	1935-2013
پنڈت جگن ناتھ	1939
پنڈت ٹل رام	1939-2008
رنبیر دھیہ	1950

چتر بھوج بنسل	1951
پنڈت جگدیش چندر	1916-1997
پنڈت مچھند	1916
دیال چند گوپال	1916
پنڈت رامانند ڈورنگ	1917
جاٹ میر سنگھ دھیہ	1918-1944
سلطان شاستری ڈورنگ	1919
ماسٹر نیک رام	1915-1996
کشن چند شرما	1922
کھیم چند سوامی	1923
چندر لال بھاٹ	1923-2004
گیانارام شاستری	1923
پنڈت رام کشن	1925-2003
رائے دھنپت سنگھ	1916-1979

حاضرین محفل میری ماں بولی کے گلدستہ سے محض ایک پھول آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس کی مکمل خوشبو آپ تک نہیں پہنچا سکا۔ اس کے لئے پورے ادارے درکار ہیں۔ مضمون کے شروع میں جیسا کہ آپ کو بتایا گیا ہے کہ ہریانوی تہذیب و ثقافت کو پہلے مردم شماری کے ڈیٹا سے غائب کیا گیا۔ کروڑوں لوگوں کو اردو اور دیگر

زبانوں کی چھتری تلے چھپنا پڑ گیا کیوں کہ ہماری شناخت کا خانہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

ہماری زبان، فن، تہذیب، ادب بھی تاریخ کے صفحوں میں گم نہ ہو جائے۔ آج کے عہد کے ہر سر کردہ تعلیمی ادارہ جہاں تحقیق زندہ ہے اور غیر جانبدار محقق آج بھی اگر ارادہ کر لیں تو ہریانوی زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کی گم شدہ وادیاں ہزاروں سال پر محیط ملیں گے۔ اگر آپ جیسے باوقار ادارے ایم فل اور پی ایچ ڈی لیول پر تحقیق کا کام شروع کرا دیں تو یہ بھی اس عہد ساز زبان پر احسان ہو گا۔ اپ کی توجہ کا شکریہ۔

ہریانوی تہذیب و ثقافت اور رسومات

رانا تصویر احمد

(یہ مقالہ انٹرنیشنل کانفرنس برائے پاکستانی علاقائی زبان منعقدہ یونیورسٹی آف بلتستان۔ سکردو میں پڑھا گیا)

ہندوستان کثیر الجہت خطہ رہا ہے۔ قدامت کے شواہد مختلف اوقات اور ادوار میں سامنے آتے ہیں۔ دنیا میں انسان نے سماجیات کا آغاز جہاں سے بھی کیا ہو۔ ہندوستان کا سماج بہر حال ہزاروں لاکھوں سال پر محیط نظر آتا ہے۔ کوئی مستند تاریخ میسر نہ ہونے کے باوجود ہر مستند تاریخی حوالوں میں ہندوستان اپنے اساطیر، روایات، اور حکایات کی صورت میں نظر آجاتا ہے۔ پتھر کا دور ہو یا سماج کی ابتدائی اشکال، مذکورہ خطہ ہمیں اپنے بہت سے حقائق کے ساتھ موجود ملتا ہے۔ آب و ہوا کے معاملہ میں بھی یہ ملک مختلف تنوعات کا ایک پورا سلسلہ پیش کرتا ہے۔ ہمالیہ پہاڑوں میں دو آمی برف، کشمیر میں شمالی یورپ جیسا موسم، راجھستان میں گرم ریگستان، جنوبی جزیرہ نما میں بسالٹ پتھروں کے ٹیلے اور گرینائٹ پتھروں کے پہاڑ، آخری جنوبی سرے پر منطقہ حارہ جیسی گرمی، مغربی گھاٹ پر پہاڑوں سے کٹی ہوئی زمین میں گھنے جنگل، کم و بیش دو ہزار میل پر مشتمل ساحلی پٹی، سیلابی مٹی سے بنی ہوئی وسیع اور زرخیز وادیاں جن میں سے گنگا جمنی عظیم دریائی نظام، نسبتاً کم پیچیدہ نظام رکھنے والے دیگر بڑے بڑے دریا، چند قابل ذکر جھیلیں اور دلدلی علاقے، یہ سب برصغیر کے جغرافیہ کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔

ایشائی تہذیب و ثقافت کے دو ہی سر چشمے ہیں جو چین اور ہندوستان کی صورت میں موجود ہیں۔بنیادی انسانی ضروریات میں سے سوتی کپڑے، شکر، کاغذ، چائے، چینی کے برتن اور ریشم کا بنیادی ماخذ یہ ہی خطے رہے ہیں۔ مصر کی عظیم افریقی ثقافت میں وہ تسلسل نہیں جو کہ ہم ہندوستانی تہذیب میں گذشتہ تین سے پانچ ہزار یا اس سے بھی زیادہ برسوں کے دوران پاتے ہیں۔اگر ہم ماضی کے دستیاب تاریخی صفحات میں تلاش کرنا شروع کریں تو مصر اور میسوپوٹامیہ کی ثقافت عربی ثقافت سے آگے نہیں جاتی۔اسی طرح چین کے صوبہ ینان کی اپنی کوئی تہذیب یا ثقافت نہیں ہے چین کی قدامت اور ترقی کی واحد مثال ہان قوم کی صورت نظر آتی ہے۔ جنہوں نے ایک ابتدائی اور مستحکم شہنشاہی نظام کے ذریعے باقی لوگوں پر غلبہ حاصل کیا۔اس کے متوازی خطہ ہندوستان میں کوئی تاریخی اسناد میسر نہیں ہیں جو ثقافت کی راہیں متعین کر سکے۔ چین کے شہنشاہی نظام میں مرتب تذکرے۔ مختلف علاقوں کی محفوظ دستاویزات، سوا چیان جیسے ابتدائی مورخین کی تحریریں۔ قبروں کے کتبے اور مقدس ہڈیاں جن سے استخارہ کیا جاتا تھا۔اور اسی قسم کے دیگر دستیاب شواہد سے چین کو 1400 سال ق م تک متعین اور مرتب کیا جا سکتا ہے۔ روم اور یونان کی قدامت اس سے کم ہے لیکن اس سے کہیں بہتر تاریخی ادب وہاں موجود ہے۔ مصر، بابل، اسیریا اور سمیرا کے ریکارڈ پر موجود ہیں۔ان تمام تہذیبی حوالوں کے متوازی ہندوستان کی ثقافتی تاریخ محض ایک مبہم سی عوامی روایات موجود ہیں جن کو اساطیر یا حکایات سے بڑھ کر کوئی بھی درجہ دیا جانا مشکل نظر آتا ہے۔ بادشاہوں کی فہرست نام کی کوئی بھی چیز میسر نہیں ہے بلکہ بہت سے بادشاہوں کے نام اور ادوار سرے سے فراموش کر دیئے گئے ہیں۔ کسی بھی بڑی شخصیت کے بارے میں کوئی حتمی بات یا حوالہ جات وثوق سے بیان نہیں کئے جا سکتے۔ مسلمان حکمرانوں کے دور سے تاریخ کسی نہ کسی شکل میں موجود نظر آتی ہے لیکن ان ادوار کی مرتب شدہ تمام تاریخ

محض ستائش باہمی نظر آتی ہے۔ادب سے متعلق بہت سی کتب کے حوالے اگر ملتے ہیں تو مصنفین کی فہرست غائب ہے۔

مذاہب کے ادوار کو دیکھا جائے تو اس خطہ میں بہت سے مذاہب اپنی پیدائش سے عروج تک یہاں موجود رہے لیکن بہت سے مذاہب کے تاریخی حوالے بھی معدوم نظر آتے ہیں۔ قدیم ترین الہامی کتب جنہیں ویدوں کے دور سے جانا جاتا ہے موجودہ دور میں چاروں وید اصل شکل میں موجود نہیں ہے۔ بدھ مت، جین مت ،بتوں کی پوجا۔ مختلف اشیاء کی پرستش بھی قدیم عمارتوں، عبادت گاہوں کی سینہ گزٹ یا آثار قدیمہ کے علاوہ کچھ بھی حتمی طور پر نہیں کہا جاتا۔

اس تمام تر تاریخی پس منظر کے باوجود تمام شواہد میں ثقافت بہر حال زندہ و جاوید نظر آتی ہے۔ ثقافت کے بنیادی خدوخال میں غذائی ضروریات ، برتن، لباس، اجتماعی حرکات، آمدورفت، فصلوں کی کاشت کی آگاہی۔ اجناس کو محفوظ کرنا۔بنیادی سماجی رابطے ہمیں دراوڑ اور آریاؤں کے ادوار سے ہی نظر آتے ہیں۔ آثار قدیمہ کے موجود ماخذات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو محض ثقافت ہی واحد مشترک دلیل ہے جو اس خطہ کی قدامت اور تاریخ کو محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ آج کے مورخین نے جب بھی کسی دور کو متعین کرنا ہوتا ہے تو وہ آثار قدیمہ سے ظروف، لباس، تصاویر، نقوش، مورتیوں کا سہارا لیتا ہے۔ قدیم ہندوستانی سماج کی تشکیل ہی دراصل واحد مستند دلیل ہے جس کے سہارے دنیا بھر میں انفرادیت حاصل ہے۔

آریہ جو اپنے جنگ جو رویوں سے معروف ہیں جنہوں نے اپنی فتوحات کو غذائی ضروریات کی فراہمی کے تابع رکھا۔ شدید تباہی پھیلائی لیکن اس کے باوجود معاشرہ کی تشکیل میں اور تہذیب کی بنیادیں اہم ستون رہے ہیں جب سماج میں شعور آرہا ہوگا تو ان

جنگ جو قبائل میں اجتماعیت کا شعور بھی پرورش پا رہا تھا۔ یہ ہی دور تھا جس میں عمرانی اصولوں کے تحت بنیادی اکائی "خاندان" کی داغ بیل رکھی گئی۔

خاندانوں کا ملاپ تہذیب و ثقافت کی بنیاد بنا۔ کوئی واضح اور ٹھوس دلیل تو موجود نہیں لیکن قیاس یہ ہے کہ جب روابط بڑھتے ہیں تو رسوم پیدا ہوتی ہیں۔ قدیم ہندوستان کے خطہ میں رسومات کا آغاز اسی دور سے شروع ہوا لیکن چندر گپت موریہ کے دور کی ثقافت کا تسلسل ہمیں آج تک ملتا ہے۔

کسی بھی دور کا انسان رہا ہو۔ جب سے سماج کی تشکیل ہو گئی۔ مذاہب شامل ہو گئے۔ زراعت۔ آمدورفت کے وسائل دسترس میں آ گئے تو گناہ اور ثواب کے پیمانے بنا دیئے گئے۔ افراد کو حدود و قیود کے دائروں میں لایا گیا۔ آزادی کی حد مقرر ہو گئی۔ تو موجودہ معاشرہ جو آج تہذیب کے بام عروج پر ہے۔ تشکیل پایا۔ آریاؤں کے دور میں "ور" کے نام سے ایک مستطیل ٹکڑا مخصوص کر دیا گیا۔ جس میں موت اور سرما کی شدت بھی داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ جب تک وہاں کے باشندہ سے گناہ سرزد نہ ہو۔ اس مقدس خطہ میں جانے کے لئے خاص میرٹ ہوتا ہو گا۔ جنگوں میں جانے کے لئے تیاری کی رسومات، موسیقی، شاعری، ناٹک نے مزید چار چاند لگا دئے ہوں گے۔ جب فنون میں مہارت حاصل کرنا شروع کی گئی تو ماہرین کو استاد بنایا جانے لگا۔ اس سلسلہ کے لئے الگ سے رسومات ہوتی تھیں۔ فنون حرب ہو یا آلات موسیقی، اس سماج کی دسترس میں آ گئے۔ شادی بیاہ میں رسومات کا دخل شروع ہو گیا۔ لباس کی تیاری، فصلوں کی کاشت سے لے کر برداشت تک مختلف رسومات رائج ہو گئی۔ اور ان رسومات کا تسلسل گذشتہ تین سے پانچ ہزار سال کی معلوم تاریخ کے اندر باآسانی مل جاتا ہے۔ اور یہ سفر آج کے دور تک کسی نہ کسی شکل میں سماج میں موجود ہے۔

ہریانوی تہذیب و ثقافت کی قدامت ہندوستان کے ساتھ ہی ویدوں کے دور سے بہت سے پہناوے، اشلوک، مناجات، ، رقص، تفریحات، زراعت، میلے، مذہبی رسومات، میل جول، شادی، رنج و الم غرضیکہ موجودہ سماج کے ہر پہلو پر رسومات اس خطہ کی تہذیب و ثقافت کی نہ صرف مضبوط دلیل ہیں بلکہ ماتھے کا جھومر ہیں۔ ہریانوی تہذیب کے چندرقص صدیوں سے رائج ہیں

پھاگ ڈانس	کھوریا
دھمال	گنکورے پوجا
گوگا دھموڑا	پوتر رقص
جھومر	تیج ڈانس
گھومر	چھٹی ڈانس
سانگ	

زیورات اور لباس بھی تہذیب و ثقافت میں اہم درجہ رکھتے ہیں۔ مختلف رسومات میں عورتیں مخصوص زیورات پہنتی ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے

چک	کوکلی	بالا
ہنسلی	تلڑی	پل چھلی
جھاتوری	رم جھول	چوٹی
پتے	نتھ	گلسری
کنٹھ مالا	چھن	پازیب
ہتھ پھول	جھومر	مرکی
لونگ	گلوبند	بازوبند

گجرا	سوت	ٹیکا
جھلکے	میخ توڑے	ٹاڈیئے
چمک چوڑی	ڈانڈیاں	بجنی
کوکا	چمپا کلی	کنگن
آرسی	لچھے	پگ پھول

لباس میں دامن، چولی، گھاکرا۔ دھوتی۔ کھنڈ کا۔ کرتا۔ چوڑی دار۔ کلی والا کرتا۔ انگر کھا۔ عمومی طور پر شامل ہوتے تھے

شادی بیاہ کسی بھی سماج کی تہذیب کو پرکھنے کی بہت خوبصورت کسوٹی ہے۔ ہریانوی ثقافت میں موجود کچھ رسمیں ایسی ہیں جو ہزاروں سال کی تاریخ اپنے اندر سمائے ہوئے ہیں َاندر سبھا کے دور میں جو معاشرہ رقص، قمار بازی، رتھوں کی دوڑ۔ ناچنے والی عورتیں۔مکے باز مرد۔ فوجی کارنامے، فصلوں کی تیاری۔ میلے، مذہب رسومات میں گھرا ہوا تھا وہی رسم و رواج آج بھی کسی نہ کسی شکل میں معاشرہ میں موجود ہیں۔ ہریانوی ثقافت کی رسموں میں سوئمبر، رشتہ کی تلاش، چھٹھیٔ کھلنا، چھٹی لکھنا۔ کھارے بٹھانا۔ بھات بھرنا۔بٹنا۔ سگائی۔ سہرا چوٹی۔ مہندی۔ رت جگا۔ جنیت۔ چولھا نیوند۔ بارات کا تین دن رکنا۔ ناٹک سانگ۔ موسیقی۔ باراتیوں سے مذاق ہاتھ روپیہ رکھنا۔ سلامی۔ دودھ پلائی۔ جوتا چھپائی۔ رخصتی۔ وداع۔ بار رکائی۔ گوڈا پکڑائی۔ اوپر والوں کے کپڑے لتے۔ جہیز دکھائی۔ ڈھولک۔ گیت اور بے شمار دیگر رسمیں آج بھی ہریانوی معاشرہ میں جوں کی توں چل رہی ہیں۔ ان تمام رسوم و رواج نے صدیوں کا سفر طے کیا ہے اور یہ قدامت ہی ثابت کرتی ہے کہ ہندوستان کے تنوع مزاج سماج میں لاتعداد رنگا رنگی میں اپنا وجود اور انفرادیت برقرار رکھنا دراصل اس تہذیب و ثقافت کی واضح دلیل ہے۔

پاکستان مینھ ہریانوی زبان کا سفر

نوشاد قاصر

پاکستان بنیا تو ہجرت کر کے آݨ آلے مسلماناں مینھ سب تھے گھݨی تعداد ہریانوی بولنیاں کی تھی۔ پاکستان بݨݨ تے پہلے بھی ہریانے کی تہذیب ثقافت ار رسم و رواج برصغیر کے دوسرے علاقیاں تھے نیارے تھے۔

ہریانوی بولی برصغیر کی قدیم ترین بولیاں مینھ تے ایک سے جس کا ثبوت ہندواں کی چاروں ویدار دوسری قدیم مذہبی کتاباں میں پائے جاݨ آلے خالص ہریانوی الفاظاں تے ملیں سے جس تھے ہم کہہ سکاں ساں کہ ہریانوی قدیم آریائی بولیاں مینھ تھے ایک سے۔ سنسکرت پے زوال آیا تو ہریانوی ء واہ زبان تھی جس نیں سنسکرت کی جگہ لئی ار علاقائی ادبی تحریکاں کا گڑھ بݨی ۔ سکھاں کی مذہبی پنجابی کے بعد ہریانوی ء گھنی اہم سے۔ گرو گرنتھ مینھ بتیس کے اورے دھورے شاعراں کا کلام سے جس میں کئی ہریانوی شاعر سیں سکھاں کے تین گروواں کی زبان ہریانوی ء تھی۔ ان کا سارا ء کلام ہریانوی مینھ سے ۔ ہریانوی نیں ایک لامبے عرصے لگ برصغیر کی مرکزی زبان ہوݨ کی حیثیت تھے ہر سطح پے نمائندگی کری سے ۔ہریانوی کی شاعری ار داستاناں کا ذخیرہ نہ ہوندا تو اُردو کی بنیاد ء نہ پڑدی۔ ہریانوی مینھ راگنی ء نھی لکھی گئی بلکہ دوھے، گیت ار ٹھمری بھی بہت لکھی گئی سیں۔ واجد علی شاہ نیں بھی ہریانوی مینھ ٹھمری لکھی سیں۔ ٹھمری کی دو ء مخصوص زباݨ تھیں، ہریانوی اریوربی ۔قدیم زمانے مینھ شاعری مذہب کا ء

ایک حصہ مانی جاوے تھی جیہاں تھے قدیم ہندی پوئٹری کا گھنکھرا حصہ ہم نیں بھجناں کی صورت ینھ ملے سے یا جنگی داستاناں کی صورت ینھ۔ ہریانے ینھ بھی بھجن قدیم دور تے کہے جا رہے تھے۔ ہریانوی ینھ بھجن لکھن آلیاں ینھ لکشمن گوپال، دیپ چند بڑے گنے جانویں تھے۔ لکشمن گوپال تھے سیڈھو اس کے بعد مانگے میر۔ مانگے میر کے چیلیاں ینھ جموا میر سناری آلا، جموا میر کے شاگرداں ینھ دھنپت میر، بندے میر، بلھا گام ارنیاز محمد لوہاری آلا ہوئے۔ دوسرے کا ھنی دیپ چند مان سنگھ ہوپا ، ارمان سنگھ کا شاگرد تھا پنڈت لکشمی چند۔ پاکستان بنڑ کے ٹیم پنڈٹ لکشمی چند اردھنپت میر کا دور تھا۔ ہریانوی بھجن کہنیاں ینھ ایک ناں آشارام کا بھی تھا جس کے شاگرداں ینھ غفورا ار موجی میر موٹھیا۔ ان ینھ غفور کا شاگرد تھا ممتاز میربوانی آلا ار موجی میر کا شاگرد سے غوث محمد، جوایب ء جیویں سیں ار ٹھینگی پل پچاس چک ینھ رہ رھیا سے۔ ہریانوی ینھ قدیم دور تھے ء بھجن بھی راگنی کی صورت ینھ لکھے جانویں تھے۔ قدیم دور ینھ توینھ بھجن سینہ بہ سینہ آگے چالدے رھئے۔ بہت کم لکھت ینھ آئے۔ پر مسلماناں کے دور ینھ لکھت ینھ آگے تھے اسے ڈھال کچھ پرانے جنگی قصے بھی لکھت ینھ مل جیں سیں جڑ ینھ علاؤ الدین خلجی کے دور کا مشہور قصہ پدماوت ،جو ہریانوی شاعر ملک محمد جائیسی نیں لکھیا تھا۔ ایک طویل نظم کی صورت میں مھارے سامنے آوے سے۔ ہریانوی ینھ بھجناں تے ہٹ کے راگنی لکھنیاں ینھ بڑے نام پنڈت لکشمی چندار جمو امیر کے گنڑ جانویں سیں۔ ہریانوی ینھ پرانے بکھتاں تےء سانگ ہوندے آرھے تھے۔ انڑ سانگاں کا گھنکھرا حصہ راگنیاں کی صورت ینھ ہویا کرے تھا جس نیں دیکھدے ہوئے ہم کہہ سکاں ہاں۔ راگنی از ٹرینڈ آف ہریانہ:

جموا میر ار لکشمی چند کے سانگاں کی شہرت ہریانے مینھ تو تھی ء ہریانے تھے باھر بھی اݨ سانگاں نیں پسند کریا جاوے تھا۔ لکشمی چند کے سانگ ،نوٹنکی پورن بھگت، چندرکرن، "نیں پاکستان مینھ ہجرت کر کے آݨ آلے ہریاݨوی ایک لامبے عرصے لگ جی لا کے یاد کریا کریں تھے۔ دھنپت کے سانگاں مینھ بݨ دیوی۔ انجمن آرائیء، لیلو چمن، جانی چور، روپ بسنت، گجنا، مشہور سانگ تھے جݨ کی یاد ہریاݨہ تے آݨ آلے اپݨے گیل لے کے آئے تھے۔ لکشمی چند کے دور مینھ باجے رام سانگی کا ایک سانگ "راجہ امب" گھنا مشہور ہو یا اس کی ایک راگنی کے بول پاکستاݨ آݨ آلے ہر ہریاݨوی کی زبان پے تھے۔

"کت آمباء کت آمبلی، کت سرور، کت نیر"

لکشمی چندار جموا میر کے مقابلے پے ایک اور سانگی آیا جس کا نام جھنڈو میر تھا اس کے جن دو سانگاں نیں ہریانے مینھ گھݨی دھوم مچائی ان کے نام "پھول دیوی ار راجہ بھوج" تھے۔ ان نامور شاعر ار سانگیاں کے شاگرداں مینھ تھے جو پاکستان آئے ان میں بندے میر ،بلھا گام ،جموا شاگرد ار میر بندے علی مہی، نیاز محمد نیاجو، دھنپت کے شاگرد تھے۔ لکشمی چند کے شاگرداں مینھ تھے مانگے رام ہریانے مینھ ء رہ گیا تھا ار منشی میر پاکستاݨ آیا۔ منشی میر کا شاگرد چاند خاں تھا۔ چاند خاں پے آکے پاکستان مینھ لکھمی چند کے شاگرداں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ جموا میر کے شاگرداں مینھ تھے بنواری لال کا شاگرد امیر باگڑی پاکستاݨ آیا تھا۔ امیر باگڑی کے بھی دو شاگرد ایبے جنیویں سیں کام بھی کر رہے سیں۔ دھنپت کے شاگرداں کا شاگرد میر محمد صدیق ایب ء جیوے سے۔ پارٹیشن مینھ جو ہریاݨوی پاکستاݨ مینھ آئے وینھ راگنایاں کے ار سانگاں کے رسیا تھے۔ گاماں مینھ

کئی کئی دن لگ سانگ پارٹیاں رُکیا کریں تھیں۔ دور دور کے گاماں تھے لوگ سانگ دیکھݨ آیا کریں تھے۔ اس نسل کے جایاں پاچھے سانگ دݨ بہ دݨ زوال کا شکار ہو گے تو سانگیاں نیں اپنی روزی روٹی کی پڑ گی جاہیں تے اکثر بیڑے بند سانگ کرنا چھوڈ گے ار اس کام تھے دور ہوندے چلے گئے۔ پر اس ساری صورتحال مینھ بھی میر محمد صدیق، حاجن حسینہ بیگم، ارشاد علی، ارشد بادی، علی شیر، میر فضل دیݨ میر، محمد افضل، ار کچھ اور فنکار اس زباݨ مینھ تھوڑا گھنا کام کر دے رہیئے۔ ان کے کام کا نتیجہ آج یوٹیوب پے کچھ پاکستانی ہریانوی گیت ار غزلوں کی صورت مینھ دیکھیا جا سکے سے۔ انڈیا مینھ تو اس زباݨ مینھ بہت کام کریا گیا، کویتا، گیت، ڈرامے، فلماں، مزاحیہ خاکے، ہر سمت مینھ کھل کے کام کریا گیا، ہریانے مینھ آج بھی راگنی ار سانگ اسے ڈھال پسند کرے جانویں سیں جس ڈھال پارٹیشݨ سے پہلے پسند کرے جانویں تھے۔ ہریانوی فلماں کے تعداد تیݨ سو تھے اوپر سے۔ ٹیلی فلماں اݨ تے نیاری سیں۔ لیکن ات حکومتی سطح پے اس زبان گیل ظلم ء ہویا انڈیا سرکار نیں اس زبان کی نیاری حیثیت ماݨ کی بجائے ہندی کا ایک حصہ قرار دے دیا جیہاں تھے اس بولی نیݨ زباݨ کا درجہ دیݨ واسطے جو کام ہونا چاہیئے تھا واہ نھی ہو پایا۔ پاکستاݨ مینھ بھی حکومتی سطح پے اس زباݨ کے فنکاراں کی حوصلہ افزائی ناں ہوݨ کی وجہ تے آخر کار سانگ ناپید ہوگا۔ انیس سو اسی مینھ ہریانوی بولنیاں نیں پھیر سودھی سنبھالی تو کنور نثار احمد خاں نیں ڈانوراں لودھراں مینھ سالانہ ہریانوی میلہ شروع کر دیا جس نیں دور دور تھے لوگ دیکھݨ آیا کریں تھے۔ کنور نثار احمد نیں بہت کوشش کری اک سانگ پارٹیاں اپنے کام نیں جاری راکھیں۔ اس کے کرائے ہوئے میلیاں مینھ امیر باگڑی، میر محمد صدیق، چاند

خاں ار پاکستان مینھ ہریانْوی زبانْ کی واحد شاعرہ حاجن حسینہ بیگم اپنْی سانگی پارٹیاں سُدھاں پر فارم کرنْ جایا کریں تھے۔ ار تحائف ار ایوارڈ لے آیا کریں تھے۔ پارٹیشن تے پہلے ہریانْے مینھ جنگی داستاناں لکھی ار گائی جایا کریں تھی، جن مینھ راجپوت بہادراں کے جنگی کارنامے بیانْ کرے جانویں تھے۔ ان داستاناں نیں ہریانْوی ساکھے کیہا جاوے تھا۔ ان ساکھیاں کے لکھن ار گانْ آلیاں کا ہریانے مینھ بہت آدر احترام کریا جاوے تھا۔ کوئے بھی اِن ساکھے گائِیاں نیں دادا کہے بنا نھی بولیا کرے تھا۔

ہریانوی زبان اور عصر حاضر

اختر مرزا

(یہ مقالہ پہلی ہریانوی ادبی کانفرنس منعقدہ ملتان میں پیش کیا گیا)

محترم مندوبین ہریانوی کانفرنس

السلام وعلیکم

پاکستان میں منعقدہ پہلی ہریانوی کانفرنس کے منتظمین کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ خاص طور پر رانا تصویر احمد کا کہ انہوں نے نو ہرہ تنظیم بنا کر سوئی ہوئی ہریانوی قوم کو جگایا اور ان کے خوابیدہ ادبی ذوق کو بھی جگانے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ میں کانفرنس میں شریک تمام مندوبین کا بھی شکر گذار ہوں جو اپنی ماں بولی کو شناخت دینے کے لئے اکھٹے ہوئے۔

معزز سامعین

میرا ہریانوی زبان سے ناتا، یوں تو پیدائشی طور پر ہے کیونکہ میں نے ہریانہ کے ضلع جیند سے ہجرت کر کے آنے والے ایک خاندان میں آنکھ کھولی اور جب سے ہوش سنبھالا، گھر میں رابطہ کی زبان ہریانوی کو پایا جو الحمد للہ آج تک چلی آ رہی ہے۔

جیسے تیسے سکول کا زمانہ گذرا اور بر سر روزگار ہوا تو دفتر میں ساتھی کام کرنے والوں میں سرائیکی بھائیوں کی اکثریت تھی۔ اور یوں سرائیکی پر عبور حاصل کیا۔ دوران سروس انگلش زبان کو پڑھایا تو اپنی مقامی زبانوں کو بھی پڑھنا پڑا اور آج فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں اپنے پیارے پاکستان کی مقامی زبانیں، پنجابی، سرائیکی، سندھی، ہریانوی اور میواتی نہ صرف اسکے لہجے میں بول لیتا ہوں بلکہ لکھ بھی لیتا ہوں۔

خاندان میں کوئی پڑھا لکھا بندہ موجود نہ تھا جو ہمیں اردو کے ذخیرہ الفاظ یا زبان کے اسرار ورموز سکھاتا۔ رہی سہی کسر والدہ نے پوری کر دی کہ انہوں نے لڑکپن ہی میں مجھے ہریانوی کلچر کے تمام قصے گیتوں کی شکل میں اتنی مرتبہ سنائے کہ از بر ہو گئے۔ اور اپنے گاوں کی اتنی تعریف کی کہ میرے دل میں اسے دیکھنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی۔ 90ء کی دہائی میں دو مرتبہ انڈیا کا سفر کیا۔ اپنا گاوں، اپنا گھر دیکھا۔ لوگوں سے ملا۔ محبتیں اکھٹی کی اور واپس آ گیا۔ وہاں پر جب سب لوگوں کو ہریانوی زبان بولتے دیکھا تو اس زبان سے محبت اور عقیدت اور بڑھ گئی۔ اور پھر کبھی ہریانوی بولتے ہوئے شرم محسوس نہ کی۔

معزز حضرات

معذرت چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو کچھ وقت اپنا بیک گراونڈ بتانے میں صرف کیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر میرا ہریانوی زبان سے آج تک کا ناطہ ادھورا رہ جاتا۔ اب میں آتا ہوں ہریانوی زبان کی ادبی حالت کی طرف۔ زبان کے عصر حاضر کے حالات دیکھنے سے پہلے ہمیں اس کے ارتقاء اور ماخذ کو جاننا پڑتا ہے۔ یہ بات تو اب تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہہ ہریانوی ہی اردو زبان کی ماں ہے۔ لہذا ہریانوی بولنے والوں کو اس بات پر فخر ہونا چاہیے کہ آج جو پاکستان کی قومی زبان ہے۔ اس نے ہریانوی زبان سے ہی جنم لیا ہے۔ بھگت کبیر اور امیر خسرو کے کلام کو اگر دیکھا جائے تو وہ ہریانوی زبان ہی میں ہے۔
حافظ محمود خان شیرانی نے بھی اپنی تحقیق میں اس بات کو تسلیم کیا ہے اور مسعود حسین خان کی تحقیق کی رو سے "قدیم اردو کی تشکیل براہ راست دو آبہ کی کھڑی بولی اور جمنا پار کی ہریانوی کے زیر اثر ہوئی ہے۔ اور کھڑی بولی یا ہریانوی شور سینی اپ بھرنش سے پیدا ہوئی ہے "(1)۔ یہ زبان دیونا گری میں لکھی جاتی تھی۔
(ہند آریائی اور ہندی) میں کھڑی بولی کے اس نئے اور نکھرے ہوئے روپ کو جس کا ارتقا دہلی میں 1193ء میں مسلم حکومت کے قیام کے بعد عمل میں آیا "modified

"Western Apabharamsa"(ترقی یافتہ مغربی اپ بھرنش) کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ " یہ اس دور میں شمالی ہند کے میدانی علاقوں کے عوام کی مشترکہ زبان کی حیثیت سے موجود تھی"۔(2)

جارج گریرسن نے "لسانی جائزہ ہند" میں اردو کی پیدائش بالائی دوآبہ اور روہیل کھنڈ کی بولی(Vernacular Indian) ورناکلر ہندوستانی سے مانا ہے ژول بلاک ہریانوی سے اردو کی پیدائش بتاتے ہیں(3)

ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے "مقدمہ تاریخ زبان اردو" 1948ء میں اپنا مستند نظریہ دیا۔ انھوں نے پچھلے نظریوں کو مسترد کرتے ہوئے اپنا نظریہ پیش کیا۔ان کے مطابق قدیم اردو کی تشکیل براہ راست ہریانی کے زیر اثر ہوئی۔اس پر رفتہ رفتہ کھڑی بولی کے اثرات پڑتے ہیں۔ اور پندرھویں صدی عیسوی میں آگرہ دار السلطنت بن جاتا ہے اور کرشن بھکتی کی تحریک کے ساتھ برج بھاشا عام طور پر مقبول ہو جاتی ہے تو سلاطین دہلی کے عہد کی تشکیل شدہ زبان کی نوک پلک برجی محاورے کے ذریعہ درست ہوتی ہے۔"نواح دہلی کی یہ بولیاں (ہریانی، کھڑی بولی اور برج) اردو کا اصل منبع اور سرچشمہ ہیں اور حضرات دہلی اس کا صحیح مولد و منشا، لیکن ایک زبان کے طور پر اردو کی ابتداءاس طرح ممکن ہو سکی جب مسلمانوں نے دہلی پر اقتدار حاصل کرلیا"۔پروفیسر گیان چند جین نے اردو کی پیدائش کے سلسلہ میں یہ نظریہ دیا کہ اردو کھڑی بولی کا روپ ہے۔ بہر حال پروفیسر مسعود حسین خاں کے نظریہ کو ماہرین لسانیات نے تسلیم کرلیا ہے(4)

اردو کا کھڑی بولی یا ہریانوی سے رشتہ سمجھنے کے لئے ہمیں قدیم زبانوں کا بھی جائزہ لینا پڑے گا۔ہند آریائی زبان کے تین عہد مقرر کئے گئے ہیں۔

(1) قدیم ہند آریائی(1500ق م سے 500ق م تک)

قدیم ہند آریائی دور کو ویدک، سنسکرت اور کلاسیکل سنسکرت کے ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس دور میں چاروں وید یعنی رگ وید، سام وید، یجر وید اور اتھر وید ملتے ہیں۔

(2) وسطی ہند آریائی (500 ق م سے 1000 عیسوی تک)

ماہرین لسانیات نے وسطی ہند آریائی کے تین ادوار قائم کئے ہیں۔ پہلا دور 500 ق م سے مسیحی سنہ کی ابتدا تک کا دور ہے۔ یہ دور پالی کا دور ہے۔ یہی پراکرت کا پہلا روپ تھا۔ پالی کو قدیم مگدھی بھی کہتے ہیں۔ دوسرا دور مسیحی سنہ کی ابتدا سے 500 تک شمار کیا جاتا ہے۔ یہ دور پراکرت کا دور کہلاتا ہے۔

سنسکرت سے نکلنے والی مقامی زبانوں کو پراکرت کے نام سے جانا جاتا ہے گویا اس دور میں بولی جانے والی پراکرت کی کئی قسمیں ہیں۔ اس عہد کی پانچ پراکرتوں کا ذکر عام طور پر لسانی تاریخوں میں ملتا ہے۔ مثلا

1- مہاراشٹری پراکرت: اس پراکرت کے نام سے ہی اس زبان کا مہاراشٹر سے تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ مراٹھی اس سے نکلی ہے۔

2- شورسینی پراکرت: اس کا تعلق متھرا کے علاقے سے ہے۔ اس پر سنسکرت کے اثرات ہیں۔

3- مگدھی/ماگدھی پراکرت: اس کا مرکز مکدھ یعنی جنوبی بہار تھا لیکن یہ پررے مشرقی ہندوستان کا احاطہ کرتا تھا۔

4- اودھ ماگدھی پراکرت: سب سے قدیم پراکرت ہے اور اس کا مرکز اودھ اور مشرقی اترپردیش کا علاقہ تھا۔ مغربی ہند کے لوگ اسے "پراچیہ" کے نام سے جانتے تھے۔

5- پیشاچی پراکرت: اس کا مرکز مغربی پنجاب اور کشمیر کا علاقہ تھا۔اس پراکرت کا بول چال میں زیادہ استعمال ہوا۔

وسطی ہند آریائی کا تیسرا یعنی آخری دور 500ق م سے 1000 عیسوی پر محیط ہے۔یہ دور اپ بھرنش کا ہے۔اپ بھرنش کے لفظی معنی پست، افتادہ اور گری پڑی چیز کے ہیں۔ یہ بگڑی ہوئی زبان کے طور پر مشہور رہی ہے۔ اس کا اثر گجرات، راجپوتانہ اور دوآبہ میں بولی جانے والی زبانوں پر گہرا ہے۔

(3) جدید ہند آریائی(1000عیسوی تاحال)

لسانیات کے ماہرین نے ہندوستان کی جدید زبانوں کی پیدائش کے سلسلے میں پراکرت کے بجائے اپ بھرنش کے اثرات کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں شورسینی اپ بھرنش، مگدھی اپ بھرنش، اردھ مگدھی اپ بھرنش اور مہارشٹری اپ بھرنش کے نام لئے ہیں۔شورسینی اپ بھرنش چار بولیوں پر مشتمل ہے جو یہ ہیں۔

ا۔ کھڑی بولی یا ہریانوی

۲۔راجستھانی

۳۔پنجابی

۴۔ گجراتی

جدید ہند آریائی دور کو اپ بھرنش کا دور بھی کہا جاتا ہے۔ سبھی جدید آریائی زبانیں انہی اپ بھرنشوں سے وجود میں آئیں۔ان اپ بھرنشوں کی تعداد پانچ ہے۔

ا۔شورسینی اپ بھرنش: اس سے کھڑی بولی، ہریانوی یا بانگرو نے جنم لیا۔اس کے علاوہ پنجابی، گجراتی، راجستھانی اور پہاڑی بولیاں بھی سامنے آئیں۔

۲۔ماگدھی اپ بھرنش: اس سے آسامی، بنگالی، اڑیسہ اور بہار کی دیگر بولیوں کا ظہور ہوا۔

۳۔اردھ ماگدھی:اس میں پوربی بولیاں آتی ہیں۔

۴۔مہاراشٹری اپ بھرنش:

۵۔شمال مغربی اپ بھرنش

ہم شورسینی کاذکرہی کرتے ہیں کیونکہ پہلے ہریانوی یا کھڑی بولی اور پھر اس سے اردو کا ظہور ہوا۔ برج بھاشا اور ہریانوی وہ دو بولیاں ہیں جن کا اردو کے ارتقاء سے گہرا تعلق ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری کی کتاب " ہندوستای لسانیات " کے مطابق مغربی ہندی کے بطن سے پانچ بولیوں نے جنم لیا۔

ا۔ برج بھاشا: یہ علی گڑھ ،دھولپور، کرولی اور آگرہ کے آس پاس بولی جاتی ہے۔

۲۔ قنوجی: یہ بالائی دوآبہ میں برف بھاشا علاقہ کے مشرق میں بولی جاتی ہے۔

۳۔بندیلی: یہ بندیل کھنڈ اور وسطی ہند کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔

۴۔ہریانوی یا بانگرو: جنوب مشرقی پنجاب میں بولی جاتی ہے۔

۵۔ہندوستانی: برج بھاشا علاقے کے شمال میں انبالہ سے رام پور تک بولی جاتی ہے۔

لسانیات کے ماہرین کی رائے میں دہلی اور آس پاس کے علاقوں میں بولی جانے والی زبان دراصل ہریانوی ہی ہے۔ جس نے آگے چل کر اردو کی شکل اختیار کی۔ یہ بات درست مانی جاتی ہے کہ دہلی شہر چار بولیوں کے سنگم پر واقع ہے۔ جن میں برج بھاشا، میواتی، ہریانوی اور کھڑی بولی شامل ہیں۔ پروفیسر مسعود علی خان نے اپنی کتاب "مقدمہ تاریخ زبان اردو" میں لکھا ہے۔ "قدیم اردو جمنا پار کی ہریانوی بولی سے قریب تر تھی۔(5)

ڈاکٹر عمران اختر اپنے مقالے میں لکھتے ہیں، "ہریانوی باقاعدہ ایک زبان ہے جو فرہنگ، ضرب المثل، محاورات، ذخیرا الفاظ،ادب صرفی ونحوی قواعد، صوتی علامات و نظام اور معنوی قوانین رکھتی ہے۔ جبکہ اس کے دیگر علاقائی لہجے روہتکی، رانگڑی، میواتی، راجپوتی

اور ریواڑی سمیت دیگر لہجوں کا نہ تو صوتی و حرفی نظام ہے اور نہ ہی کوئی با قاعدہ رسم الخط یا حروف تہجی۔(6)

یہ بات اپنی جگہ قابل ذکر ہے کہ ہریانوی کو ابھی تک ہندوستان میں بھی زبان کا درجہ حاصل نہیں ہو سکا۔ کیونکہ اس کے اپنے حروف تہجی یا تختی نہیں ہے۔ اور اسے ہندی زبان کا ہی ایک لہجہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ گو کہ اس وقت ہریانہ صوبے میں اسے زبان کا درجہ دلوانے کی تحریک زوروں پر ہے۔ وی۔ ایم۔ بے چین، انوپ لاٹھر جیسے دوست اس پر خوب محنت کر رہے ہیں۔ دوسری طرف ہندوستان میں بھوج پوری کو زبان کا درجہ دے دیا گیا ہے جب کہ اس زبان کے بھی حروف تہجی نہیں ہیں۔ کچھ یہی جنوبی پنجاب میں سرائیکی کے ساتھ بھی ہوتا رہا کہ اسے زبردستی پنجابی کا لہجہ بتایا جاتا رہا۔

سامعین کرام

اب پاکستان کی بات کرتے ہیں۔ بی بی سی کے تحقیقاتی ادارے کے مطابق اس وقت پاکستان میں 74 زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اور ہریانوی بھی ان میں شامل ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثریت کے اپنے حروف اور رسم الخط نہیں ہیں۔ خود اردو زبان نے بھی اپنے حروف اور رسم الخط کے لئے عربی اور فارسی پر تکیہ کیا۔ اردو زبان کی بنیادی آوازوں اور حروف تہجی میں عربی، فارسی، ہندی اور پشتو سے حروف کو یکجا کیا گیا۔ اس لئے بحیثیت ہریانوی میں یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوں کہ پاکستان میں ہریانوی کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے اور تمام حکومتی سروے اور مردم شماری میں اس کا شمار کیا جائے۔

ہریانوی زبان کے چھ لہجے رجسٹرڈ ہیں۔

۔ بانگری: سنٹرل ہریانہ جو کہ ضلع جیند، کیتھل ار نروانہ کے آس پاس بولی جاتی ہے

۲- باگڑی: سرسہ، حصار، فتح آباد ار ہانسی کے علاقوں میں بولی جاتی ہے

۳- کھادری/نرد کھی/کوروی: انبالہ، کرنال، یمنانگر، کورکشیتر کے علاقیاں میں بولی جاوے سے

۴- دیش والی: روہتک، سونی پت، پانی پت، گوہانہ، جھجھر ار بھوانی میں بولی جاوے سے

۵- آہیر واٹی: مہندر گڈھ، ریواڑی ار نار نوند میں بولی جاوے سے

- میواتی: ریاست میوات، گوڑ گاوں، فرید آباد ار آسے پاسے کے شہراں میں بولی جے سے

جہاں تک ہریانوی ادب کا تعلق ہے تو ہریانوی زبان اس لحاظ سے کسی دوسری زبان سے پیچھے نہیں ہے ۔ اس میں ناول، افسانے، قصے، لوک گیت، غزل، راگنی اور ڈرامہ (سانگ) کئی سو سال سے تخلیق کئے جارہے ہیں۔ فطرتی طور پر کوئی بھی لکھاری اپنے علاقے میں بولے جانے والے لہجے اور ذخیرا الفاظ کے ساتھ لکھتا ہے۔ تو ہمیں مختلف لکھاریوں کے مختلف لہجے پڑھنے کو ملتے ہیں۔ پرانے لکھنے والوں میں پنڈت لکھمی چند اور پنڈت مانگے رام کے لکھے ہوئے شعری ڈرامے (سانگ) آج بھی پڑھے جاتے ہیں۔ لوگوں کو زبانی یاد ہیں اور مقامی علاقوں میں سٹیج بھی کئے جاتے ہیں۔ انڈیا میں موجودہ دور میں بھی، جبکہ میڈیا نے ترقی کر لی ہے اور موسیقی نے نئی جہت لے لی ہے۔ آج بھی دیہات میں سانگ اسی گہما گہمی سے دیکھے جاتے ہیں۔ پاکستان بنا تو مسلمان گلوکار، موسیقار اور سانگ کرنے والے سانگی بھی ہجرت کر کے آئے ۔ جن میں حاجن حسینہ بیگم کا نام پورے پاکستان میں پہچان رکھتا ہے۔ حسینہ بیگم نے لوک ورثہ کے لئے اپنے سانگ بھی ریکارڈ کرائے جو آج بھی محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ بندے میر کی راگنیوں کی دھوم بھی سارے پاکستان میں تھی۔ بندے میر کے شاگرد فضلو میر بھی اپنی جگہ بنانے میں کامیاب رہے۔ یہ سوانگ یا سانگ 70 کی دہائی تک پاکستان میں ہر اس جگہ ہوتے رہے جہاں ہریانوی لوگ آباد تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ہریانوی بولنے والے بزرگ اس

جہاں سے کوچ کرتے گئے اور سانگ کرنے والی پارٹیاں بھی بے توجہی کا شکار ہوتی گئیں۔ یہ اداکار اور گلوکار غم روزگار کے سلسلے میں کسی اور کام سے جڑتے گئے اور آج ہمیں اس ٹیم کے ستارے صدیق ریڑھیا کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا۔

نئے لکھنے والوں میں انوپ لاٹھر، مہر سنگھ ،روشن ورما، جیمینی ہریانوی، کنول ہریانوی، شری کرشنا گوتن۔ جگبیر راٹھی، ست پال سنیہی، نریندر گولیا، سونل دھیا قابل ذکر نام ہیں جو ہریانوی زبان کی خدمت کر رہے ہیں۔ صوبہ ہریانہ میں ہریانوی زبان میں بے شمار فلمیں بھی بنتی ہیں۔ اور ہریانہ نے ہندوستان فلم انڈسٹری کو جوہی چاولہ ، پرینیتی چوپڑہ، ملائکہ شیراوت، اوم پوری، رندیپ ہوڈہ، یش پال شرما، اجے ہوڈہ جیسے بڑے اچھے اداکار بھی دیئے۔

محترم حضرات

اب میں ذکر کروں گا پاکستان میں ہریانوی ادب کا۔ تقسیم ہندوستان کے بعد جو ہریانوی لوگ ہجرت کر کے پاکستان آئے وہ کسی ایک علاقہ میں نہ بس سکے بلکہ پاکستان کے تمام شہروں میں بکھر گئے۔ کیونکہ زیادہ لوگوں کا تعلق دیہات سے تھا تو یہاں انہیں زمینیں بھی دیہات میں الاٹ ہوئیں۔ بہت کم لوگ شہروں میں جایئداد حاصل کر سکے۔ اور جو پڑھے لکھے تھے ان میں سے کچھ لوگوں کو سرکاری ملازمتیں بھی مل گئیں۔ 60 کی دہائی میں کچھ سہ ماہی ہریانوی رسالے چھپتے نظر آتے ہیں۔ کچھ اخبار بھی نظر آئے۔ اور اسکا سہرا بلا شک راجپوت بھائیوں کے ان اکابرین کے سر ہے جنہوں نے اس زبان کی حفاظت کے لئے کام شروع کیا لیکن یہ کام بہت آہستہ رو اور چھوٹے پیمانے پر تھا۔ ہریانوی کے ایک اور مضبوط لہجے میواتی میں بھی کافی لٹریچر موجود ہے اور لاہور سے میواتی میں ایک ماہنامہ باقاعدگی سے چھپتا ہے۔

کنور نثار احمد ایڈووکیٹ کا ذکر اگر نہ کیا جائے تو پاکستان میں ہریانوی ادب نامکمل رہے گا۔ انہوں نے ہریانہ اردو اکیڈمی کی بنیاد رکھی جس کے زیر اہتمام نہ صرف ادب کی تخلیق شروع ہوئی۔ بلکہ فنون لطیفہ کی بھی سرپرستی کی گئی۔ کنور صاحب ہر سال ہریانوی لوگوں کا ایک کٹھ کیا کرتے تھے جس میں پاکستان بھر سے لوگ شرکت کرتے تھے۔

راو رحمت علی کی لکھی ہوئی ہریانوی افسانوں کی کتاب "مراڑ" جو 2006ء میں چھپ کر سامنے آئی۔ اس نے ہریانوی پڑھنے والوں کے دل جیت لئے۔ اس کتاب میں 14 افسانے موجود ہیں جن میں 3 تراجم بھی ہیں۔ افسانہ مراڑ ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔ جس میں ایک طلاق یافتہ لڑکی سے کوئی دوسری شادی پر تیار نہیں ہوتا۔ بہر حال راو رحمت علی کو ہریانوی افسانہ نگاری کا بانی مانا جائے گا۔

رانا طفیل رضا صاحب نے لاہور سے ہریانوی ادب کو بڑھاوا دینے کے لئے "ہریانوی تبصرہ" کے نام سے ایک جریدہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ جس میں ہریانوی لکھنے والوں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ ہریانوی زبان وادب کی آبیاری کریں۔

رانا نوشاد قاصر بھی ہریانوی کے بڑے پختہ شاعر ہیں جو عرصہ دراز سے اردو اور ہریانوی میں شاعری کرتے ہیں۔ موصوف کی اردو شاعری کی کتاب چھپ کر مارکیٹ میں آچکی ہے۔ اب ہمیں انتظار ہے کہ انکی ہریانوی شاعری بھی جلد چھپ سکے۔ ان کے لکھے ہوئے ہریانوی گیت اور غزلیں جو ارشاد علی اور صدیق ریڑھیا نے گائی ہیں وہ زبان زد عام ہیں اور سرحد پار ہریانوی دوست ان کے دیوانے ہیں۔ ایک اور بات کا کریڈٹ نوشاد بھائی کو جاتا ہے کہ انہوں کے ہریانوی ڈکشنری بھی مرتب کی ہے جس میں دس ہزار سے زائد ہریانوی الفاظ کا ذخیرہ ہے۔

محترم اختر دولتالوی کا تذکرہ نہ کرنا بھی زیادتی ہوگی۔ دولتالوی صاحب کا شمار ہریانوی شاعروں میں استاد شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کے کلام میں جو چاشنی، روانی اور تخیل ہے وہ کم کم کسی اور جگہ دیکھنے کو ملتا ہے۔

جو لوگ ادب کی مختلف اصناف پر طبع آزمائی کرتے رہے تھے۔ ان صاحبان نے لکھا تو بہت کچھ لیکن وہ طباعت کی شکل میں آج ہمارے پاس موجود نہ ہے۔ کچھ لوگ صرف اپنی تسکین کے لئے لکھتے رہے۔ اور اس سے عام لوگ مستفید نہ ہو سکے۔ کچھ لوگ اپنے کام کو پھیلانا تو چاہیتے تھے لیکن ان کے پاس وسائل کی کمی تھی۔ آج بھی بہت سے لوگ لکھ رہے ہیں پر چھپے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں ہریانوی کے سر خیل حضرات میں راؤ رحمت محفوظ، نوشاد قاصر، اصغر ترمذی، کنور نثار، احمد سجاد بابر، رانا طفیل رضا، راو اسلام دین، اختر دولتالوی، مشتاق ظفر، راؤ انعام اللہ، رانا تصویر۔ جمیل احمد رانا۔ پروفیسر کے۔ ایم۔ جاوید مرزا۔ مشتاق ظفر۔ کشور لودھراں۔ مرزا وصی۔ صابر علی صابر۔ ازبر سفیر شامل ہیں

گذشتہ سال فروری میں راقم الحروف نے چند دوستوں کے ساتھ مل کر بہاولپور میں ہریانوی زبان وادب کے آگے بڑھانے کے لئے ایک اجلاس بلایا۔ جس میں 10 صاحب الرائے حضرات نے شرکت فرمائی اور ہریانوی زبان وادب کی ترقی وترویج کی خاطر بات چیت کی۔ اس بات کا تہیہ کیا گیا کہ زبان وادب کی ترقی کے لئے اب چین سے نہیں بیٹھنا۔ اور میں اللہ رب العزت کا شکر گذار ہوں کہ

لوگ ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔

والی بات درست ثابت ہوئی اور آج ہم اس کانفرنس میں موجود ہیں۔ ماضی قریب میں ہمیں دو ہریانوی مشاعروں کی بازگشت سنائی دیتی ہے جنہیں منعقد کرنے میں رانا تصویر اور نوشاد قاصر کی کوششوں کو اگر نہ سراہا جائے تو درست نہ ہوگا۔ آج ہمیں سہ ماہی

پیلوں میں ہریانوی گوشہ بھی نظر آتا ہے۔ ہر پندرہ دن بعد Whats App پر ہریانوی مشاعرہ باقاعدگی سے ہوتا ہوا نظر آتا ہے جسے نہ صرف پاکستان اور ہندوستان کے ہریانوی سنتے ہیں بلکہ سمندر پار رہنے والے ہریانوی بھی اس میں شامل ہوتے ہیں۔ یہاں اگر میں راؤ انعام اللہ صاحب کا ذکر نہ کروں تو بخل ہوگا جو نہ صرف ہریانوی کے بہت اچھے شاعر ہیں بلکہ وہ عنقریب ہریانوی ٹی۔ وی چینل کے اجراء کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ راؤ صاحب ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ ایک انتہائی مصروف محکمہ پولیس میں ہونے کے باوجود بیک وقت شاعر، صداکار، ٹی۔ وی پیش کار سب کچھ ہیں۔ ہمیں ایسے ہی محنتی اور قابل لوگوں کی ضرورت ہے جو ہریانوی ادب کو ایک اعلی مقام پر پہچانے میں مددگار و معاون ثابت ہوں۔۔ اس کے علاوہ ملتان، بہاولنگر سے ہریانوی میں ایف۔ ایم ریڈیو پر بھی پروگرام ہو رہے ہیں

صاحبان گرامی

منزل ابھی دور ہے۔ بہت سی مشکلیں آئیں گی لیکن ہمیں ان سے گھبرانا نہیں ہے بلکہ اکھٹے ہو کر انکا مقابلہ کرتے ہوئے منزل تک پہنچنا ہے۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ مستقبل قریب میں ہریانوی زبان میں ادبی کاوشیں اور طباعتیں بڑھتی جائیں گی۔ اس کے علاوہ جس طرح اردو کے حروف تہجی میں اضافہ و ترمیم کر کے سرائیکی کے حروف تہجی نہ صرف وجود میں آ چکے ہیں بلکہ سرائیکی ادب ترقی کر رہا ہے۔ اسی طرح بہت جلد ہریانوی حروف تہجی اور تختی اپنی شکل اختیار کریں گے اور ہریانوی زبان و ادب دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گا۔

حوالہ جات:

1۔ مسعود حسین خان۔ ڈاکٹر: "مقدّمہ تاریخ زبان اردو۔"

2۔ گریرسن۔جارج:"Linguistic Survey of India"
3۔ قادری، محی الدین،ڈاکٹر:"ہندوستانی لسانیات"
4۔ مسعود حسین خان۔ڈاکٹر:"مقدّمہ تاریخ زبان اردو۔"
5۔ عمران،اختر،ڈاکٹر:"اردواورہریانوی کے لسانی روابط۔"

اردو کہاوتوں اور ضرب الامثال پر ہریانوی زبان کا اثر

(یہ مقالہ یونیورسٹی آف بلتستان، سکردو میں پڑھا گیا)

اختر مرزا

کہاوتیں دنیا کی ہر زبان میں ملتی ہیں۔ کوئی زبان ایسی نہیں جس میں کہاوتیں نہ ہوں۔ کہاوتیں سینہ بسینہ، نسل در نسل چلی آرہی ہیں۔ یہ ہمارے بزرگوں کے کئی سو سال کے تجرنے کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ اور ان میں کہی ہوئی باتیں جہاں نصیحتیں رکھتی ہیں وہاں ان سے جڑے ہوئے کئی واقعات بھی ہوتے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کچھ یوں کر سکتے ہیں "کسی تجربے کو بیان کرنے والی ہر وہ بات یا مصرعہ جو زبان زدِعام ہو جائے اور نئے واقعے کو تولنے میں برتی جائے تو وہ کہاوت کہلاتی ہے۔ ہریانوی زبان میں اسے "کہبت" کہا جاتا ہے۔ یہ ایسی باتیں یا جملے ہوتے ہیں۔ جن میں سچائی، تعلیم، نصیحت، گیان دھیان اور برتاؤ پایا جاتا ہے جو نسل در نسل آگے بڑھتا رہتا ہے۔

اردو زبان میں کہاوت، اکھان یا ضرب المثل ایک دوسرے کے مترادف ہی سمجھے جاتے ہیں۔ انہیں کیا عام اور کیا خاص، سب ہی اپنی روزمرہ کی بات چیت میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ ہمیشہ عوامی قصوں، کہانیوں اور سماجی واقعات سے جنم لیتی ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ کوئی قصہ یا کہانی جب بار بار کسی علاقے یا معاشرے میں دہرایا جاتا ہے تو اس میں سے چند جملے سب کی زبان پر رواں ہو جاتے ہیں اور

جب یہ نسل در نسل ، سینہ بہ سینہ چلتے ہوئے آگے منتقل ہوتے ہیں تو کہاوت بن جاتے ہیں۔

شان الحق حقی کے مطابق "ضرب المثال عوامی سطح پرپیدا ہوتی ہیں۔ان میں عوامی فطانت سمائی ہوتی ہے۔ اور عوامی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ خوبی یہ ہے کہ پھر خواص بھی ان ہی کہاوتوں کا سہارا لیتے ہیں اور انہیں اپنا لیتے ہیں۔ اگرچہ یہ ان کے معاشرے اور ماحول سے تعلق نہیں رکھتیں۔ نہ صرف امثال بلکہ الفاظ، تلفظ اور محاورے وغیرہ کے معاملے میں بھی عوام کے آگے خواص کی زیادہ نہیں چلنے دی جاتی۔

کہاوتوں کو درج ذیل عنوانات کے مطابق دیکھا جا سکتا ہے۔

نباتاتی کہاوتیں۔

انگور کھٹے ہیں ۔ دال میں کچھ کالا ہے۔ گھر میں سوت نا کپاس، جولاہے سے لاٹھم لاٹھ ۔ سو پیاز بھی کھائے، سو جوتے بھی کھائے

کھانے پینے سے متعلق کہاوتیں

ٹیڑھی کھیر۔

پکائی کھیر، ہو گیا دلیا۔

دودھ کا دودھ، پانی کا پانی۔

دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک پھونک کر پیتا ہے۔

یہ منہ اور مسور کی دال

عددی کہاوتیں

ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا۔

ایک دن کا مہمان۔

تین میں نہ تیرا میں۔

یک نہ شد دو شد۔

نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔

نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچے گی۔

پیشے کی کہاوتیں۔

چل میرے چرخے چرخ چوں۔

کہاں کی بڑھیا، کہاں کا تو

کہاں راجا بھوج، کہاں گنگو تیلی۔

مذہبی کہاوتیں۔

گئے تھے روزے بخشوانے، نماز گلے پڑ گئی۔

مرے کو مارے ، شاہ مدار۔

ملاں کی دوڑ، مسجد تک۔

نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔

حیوانی کہاوتیں۔

بخشو بی بلی، چوہا لنڈورا ہی بھلا۔

بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔

جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔

دیکھو، اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

کہاوتیں زبان کے لسانی سرمائے کو اسکے ادبی حصے سے ملاتی ہیں۔ یہ کبھی خود سے بنائی نہیں جاتیں بلکہ مختلف حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے بزرگوں کے اقوال میں ڈھل جاتی ہیں۔ یہ خود رو پھولوں کی طرح ہوتی ہیں ۔ عربی زبان میں ایک قول ہے کہ "کہاوت روزآنہ کی بات چیت میں وہی حیثیت رکھتی ہے جو کھانے میں نمک کی ہوتی ہے۔" کہاوتیں اپنے اندر لسانی۔ ثقافتی، سماجی، مذہبی اور تاریخی پس منظر رکھتی ہیں۔ کسی بھی معاشرے کے اخلاقی ارتقاء یا زوال کا اندازہ انہی کہاوتوں سے ہو جاتا ہے۔ اور یہ پورے ساگر کو ایک لوٹے میں سمو دیتی ہیں۔

کہاوتیں دراصل ہماری دوست بھی ہیں اور رہنما بھی۔ ہماری استاد بھی ہیں اور ڈاکٹر بھی ۔جہاں کہیں ہمیں کوئی مشکل پیش آئی ۔ یہ ہماری مدد کے لئے سامنے آگر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ بس ایک بات کا دھیان رکھا جائے کہ ہمیں ان کو استعمال کرنے کا وقت اور موقع محل معلوم ہونا چاہیے۔ اور جیسے ہی کسی نے بے موقع اور بے محل ان کا استعمال کیا تو پھر یہ ہماری عزت بھی اتروا دیتی ہیں ۔

ہریانوی صدیوں پرانی زبان ہے ۔ اس کی بنیاد شورہ سینی اپ بھرنس پراکرت پر ہے۔ اردو زبان کے ماہرین اور پروفیسر مسعو د حسین ، ڈاکٹر محمود خان شیرانی اور دوسرے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ہریانوی ہی اردو کی ماں ہے۔ جسے کسی زمانے میں کھڑی بولی یا برج بھاشا کہا جاتا تھا۔پروفیسر گیان چند جین نے اردو کی پیدائش کے بارے میں یہ نظریہ دیا کہ اردو کھڑی بولی کا روپ ہے ۔اگر آج بھی ہم بھگت کبیر۔ امیر خسرو اور میرا جی کی شاعری پڑھیں تو ہمیں 80٪ ہریانوی زبان کے الفاظ ملیں گے۔ رجب علی بیگ سرور کی فسانہ عجائب ہو یا ملا وجہی کی داستان سب رس ، ان دونوں میں ہریانوی الفاظ ملتے ہیں۔

ایک اور بات آپ لوگوں کو بتاؤں کہ ہریانہ سے تعلق رکھنے والے لوگ بہت ہنس مکھ اور حاضر جواب بھی ہوتے ہیں۔اور یہ اس مٹی اور جینز کا ہی کمال ہے کہ یہاں پاکستان میں رہنے والے لوگ بھی اسی طرح اکثر ہر بات کا الٹا جواب دیتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس اس کے لئے ایک اور لاجک موجود ہے کہ لوگ ہم سے سوال ہی الٹا پوچھتے ہیں۔ مثلا۔ ایک آدمی بال کٹوانے کے لئے ایک نائی کی دکان پر گیا۔ نائی نے اسے کرسی پر بٹھایا اور پوچھا ۔ "بھائی صاحب ۔ بال چھوٹے کر دیو کے؟۔ " آدمی نے پوچھا۔ کیا بڑے بھی کر سکتے ہو۔ ؟ اسی طرح ایک شخص نے ایک رکشے والے سے پوچھا " سٹیشن جانے کا کیا لو گے۔ اُس نے کہا ۔ سو روپے۔ اب وہ شخص تھوڑے پیسے دینا چاہتا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا ۔ یار یہ تو کھڑا ہے سٹیشن۔ اس پر رکشے والے نے جل کر کہا۔ بھائی ۔ ہاتھ ہٹا لے کہیں ریل کے انجن کی زد میں نہ آجائے۔

اسی بات کا نتیجہ ہے کہ آج ہمیں اردو زبان میں بہت سی ایسی کہاوتیں ملتی ہیں۔ جو یا تو ہو بہو ہریانوی سے براہ راست اردو میں آئیں۔ جیسے " تھوتھا چنٹا، باجے گھنٹا۔" اور یا پھر انہیں کچھ موڈیفائی کر کے اردو تلفظ میں لایا گیا ہے۔ ذیل میں ، میں ہرہانوی کی کچھ کہاوتیں پیش کروں گا جو زیادہ تر صرف ہریانوی میں ہی استعمال ہوتی ہیں۔ اور آج بھی پورے پاکستان میں پھیلے ہریانوی اپنی روزمرہ زبان میں انہیں استعمال کرتے ہیں۔

1. قابو ساچی۔ جھگڑا جھوٹا
2. پچھیت میں آلا، آنکھ میں جالا ار گھر میں سالا، ہمیشہ سیدھے گا۔
3. آندھے آگے رووے ار اپنے نینڑ کھووے

4. اتنے ہانڈے بگڑ بگڑ، اتنے پیسے رگڑ رگڑ

5. کُلھڑی میں گُڑ پھوڑنا۔

6. کھیتی ، کھسم سیتی

7. گادڑ بِنا جھونڈ میں کون ہاگے

8. گھر کی کھانڈ کر کلی ۔ اَرچوری کا گُڑ میٹھا۔

9. گھٹی سیانٹی دو بَر پویا کرے سے۔

10. کمہار کی کمہاری پے تو پارنی بساوے۔ اَرگدھے کے کان آنٹھے۔

11. گادڑ کی تول بینھ بیرنی پا کیا کردے۔

12. جس نیں چالنٹی باٹ، اس نیں کِسی کھاٹ

13. بہو اِسی آئی۔ ساسو بھلی کہوائی

14. ماں پے دھی پتا پے گھوڑا۔ گھٹا ئیں تو تھوڑا تھوڑا

اب میں ایسی کہاوتوں کا ذکر کرو ں گا جو ہریانوی سے اردو میں آئیں اور آج بھی مستعمل ہیں۔

1۔ بِلی نیں دیکھ کے کبوتر نیں آنکھ میچ لی۔ جٹوں دِیکھدی ء کونی۔(بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرنا)

2۔ ایب آیا اونٹ پہاڑ تلے۔ (اب آیا اونٹ پہار کے نیچے)

3۔ ایک گھر تو ڈینٹ بی چھوڈ دیا کرے سے (ایک گھر تو ڈائن بھی چھوڑ دیتی ہے)

4۔ ایک چُپ ، سوواں نیں ہراوے۔ (ایک چپ سو سکھ)

5۔کاگ بولیا منڈیر پے۔ بٹیئو آوے تیرے ڈیرے پے۔ (کوے کے منڈیر پر بولنا مہمان آنے کی نشانی ہے)

6۔ اوکھلی مینھ سِر دیا تو موسل تے کے ڈرٹا (اوکھلی میں سر دیا تو موسل سے کیا ڈر)

7۔ کتیاں کے گھی ہجم نئیں ہویا کردا (کتے کو گھی ہضم نہیں ہوتا)

10۔ شکل چڑیلاں کی، مجاج پریاں کے (شکل چڑیلوں کی مزاج پریوں کے)

11۔کاتھ کی ہانڈی، شیات شیات مینھ نہ چڈھیا کردی۔ (کاٹھ کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی)

12۔گام بسیانی ار منگتے پہلاں ء ہانڈ گے۔ (شہر بسا نہیں اور فقیر آ گئے)

13۔گئی مھینس پاݨی مینھ۔ (گئی بھینس پانی میں)

14۔ گھی سُدھارے ساگ ار بڈی بہو کا نام (گھی سنوارے سالنا اور بڑی بہو کا نام)

15۔چڈھدے سورج کی پوچھ، ڈوبدے کی ناں پوچھ (چڑھتے سورج کی پوجا کرنا)

16۔چھاج تو بولے، چھالنٹی کا کے بولے جس مینھ ستر چھید۔(چھاج تو بولے، چھلنی کا کیا بولے)

17۔جِب چڑیا چُگ گی پور، پھیر کیاں کا روٹا۔ (اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئی کھیت)

18۔جِسی سنگت، اُسی رنگت (جیسی سنگت، ویسی صحبت)

19۔ جڑے دِکھے توا پرانت، اوڑے گاوے ساری رات (جہاں دیکھی توا پرات، وہاں پے گایا ساری رات)

20۔ ٹھاڈے کی بہو، سب کی دادی ار ماڑے کی بہو سب کی بھابھی۔ (غریب کی جورو سب کی بھابی)

معزز سامعین !

ہم اپنی ماں بولی کے تحفظ اور بڑھوتری کے لئے انتہائی تن دہی سے کام کر رہے ہیں۔ ہریانوی میں اچھا ادب لکھا جا رہا ہے۔ نثر، نظم، ڈرامہ، ناول، افسانہ، انشائیہ، افسانچہ اور فکاہیہ ۔ اربابِ اختیار سے امید کرتے ہیں کہ پاکستان میں بولی جانے والی تمام زبانوں کی ترقی کی طرف توجہ دے۔ کیونکہ ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کے لئے ماں بولی کا تحفہ چھوڑ کر جانا ہے۔ اور یہ کام انفرادی کوششوں سے نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لئے حکومتی سرپرستی لازمی ہے۔ والسلام

ہریانوی ثقافت کے زیورات

(یہ مقالہ یونیورسٹی آف میانوالی میں پڑھا گیا)

محمد اختر مرزا

زیورات ہر عورت کی کمزوری شمار کئے جاتے ہیں۔ دنیا میں کہیں بھی چلے جائیں۔ کسی بھی خاتون سے پوچھ کر دیکھ لیں۔ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی زیور خریدنے میں دلچسپی رکھتی ہو گی۔ زیور ات اور گہنے خواتین اپنے سنگھار اور خوب صورتی کو بڑھاوا دینے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ اور اسکا ایک مقصد اور بھی ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے اپنی رشتہ داروں، سہیلیوں، ہمسائیوں اور راہ چلتی خواتین کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور ان کے تن بدن میں کچھ ایسی آگ لگا دینا کہ وہ بھی اُن جیسے زیوارت کو حاصل کرنے کے لئے اس دوڑ میں شامل ہو جائیں۔ خیر یہ تو خیال تو بر سبیل تذکرہ آگیا۔ بہر حال، یہ بات تو آپ بھی مانیں گے کہ زیورات اور وہ بھی سونے کے، خواتین کی کمزوری ہوتے ہیں۔

تاریخ کچھ یوں بھی بتاتی ہے کہ مرد نے اس کائنات میں اپنے لئے بننے والی عورت کو اپنے سے کم تر اور اپنے زیر اثر رکھنے کی خواہش میں اسے زیورات کا لالچ دے کر در اصل اسے اپنے قابو میں رکھنے کا سامان کیا ہوا ہے۔ اور قبل از اسلام اگر دیکھا جائے تو عورت کی حیثیت مرد کی ملکیت میں باقی اشیاء جیسی ایک شے کی رہی ہے۔ اسے کسی قسم کا کوئی حق نہیں دیا جاتا تھا۔ نہ ہی اسے کسی فیصلے میں شامل کیا جاتا تھا۔ مرد نے اس کے گلے میں غلامی کا طوق ڈالنے کی بجائے اسکے گلے میں ہار۔ ہنسلی ڈال دی۔ ناک میں نکیل کی جگہ سوراخ کروا کر نتھ ڈال دی۔ پاؤں میں بیڑیاں چھوڑ کر چاندی کے بھاری بھر کم کڑے یا کڑیاں

ڈال دیں۔ لیکن عورت نے اسے اپنے لئے باعث اعزاز سمجھ لیااور فی زمانہ قیمتی دھات جسے سونا کہتے ہیں کی بنی ہوئی اشیاء کواکٹھا کرناشروع کر دیا۔

ہریانہ، جو اس وقت ہمارے ہمسایہ ملک کا ایک صوبہ ہے۔ تاریخ میں اس کی زبان اور ثقافت صدیوں پرانی ہے۔ مہابھارت بھی اسی ہریانے کے علاقے میں لڑی گئی۔ 1947ء میں قائداعظم کی قیادت میں جب مسلمانوں نے اپنے لئے ایک الگ وطن حاصل کر لیاتو باقی ہندوستان کی طرح ہریانہ سے بھی مختلف اقوام کے لوگ ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ اور جہاں سینگ سمائے وہاں جا کر ڈیرے ڈال دیئے۔ یوں آج دیکھا جائے تو یہ ہریانوی لوگ پورے پاکستان میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ساڑھے تین کروڑ ہریانوی زبان بولنے والے لوگ اس پیارے پاکستان میں بستے ہیں۔ لیکن اپنی ثقافت اور زبان سے ناطہ جوڑے ہوئے ہیں۔

جس طرح پاکستان میں بسنے والی دیگر زبانوں کے بولنے والے اپنی ثقافت سے جڑے ہوئے ہیںَ۔ اور اپنے ثقافتی لباس، زبان، پکوان اور عادات کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس طرح ہر صوبے۔ علاقے کے لوگوں کے کچھ مخصوص زیورات بھی ہوتے ہیں۔ جو انکی ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آج میں کوشش کروں گا کہ ہریانوی ثقافت سے جڑے ہوئے زیورات سے آپکا تعارف کراؤں۔ یہ زیورات جو آج میں پیش کرنے جارہاہوں۔ ان میں سے 70٪ اب ستعمال میں نہیں ہیںَ۔ اور ان کو ضبط تحریر میں لانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ صفحہ قرطاس پر لا کر انہیں محفوظ کر لیا جائے تا کہ آنے والی نسلیں اپنے آباؤاجداد کے زیراستعمال اشیاء کو دیکھ سکیں۔

بورلہ۔



بورلہ ایک عورت کی خوبصورتی کو بڑھانے کے لئے اسکے ماتھے پر باندھا جاتا ہے۔ عموماً سونے کا ہوتا ہے لیکن چاندی کا بھی دیکھا گیا ہے۔اس کو دھاگے کے ساتھ باندھ کر سیدھی مانگ میں پِن کے ساتھ ٹانک دیا جاتا ہے۔

سنگھار پٹی۔



ماتھے پر بورلے کے نیچے ایک نہایت خوبصورت جڑاؤ پٹی باندھی جاتی ہے۔ جو پورے ماتھے کو ڈھانپ لیتی ہے اور خاتون کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ یہ بھی چاندی اور سونے، دونوں میں بنتی ہے۔

چندن ہار



یہ عام طور پر چاندی کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ خواتین کے پورے گلے کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اس میں چاندی کے تاروں سے چھوٹے چھوٹے پھول بنا کر انہیں چاندی کی زنجیر سے جوڑا جاتا ہے۔ امیر گھرانے اسے سونے میں بھی بنواتے ہیں۔ جو بہت مہنگا بنتا ہے۔ لیکن زیادہ تر چاندی میں ہی بنوایا جاتا ہے۔

گلوبند



1970 کی دہائی تک استعمال ہونے والا یہ زیور خواتین میں بڑا مقبول رہا ہے۔ خواتین گلوبند بڑی فرمائش سے بنواتی تھیں۔ یہ بھی سونے اور چاندی، دونوں دھاتوں میں بنتا تھا۔ آجکل اسکا رواج ختم ہو گیا ہے۔ کیونکہ کافی بھاری زیور ہے اور آجکل سونے کا بھاؤ بہت تیز ہے۔ تو اب یہ زیور غیر مقبول ہو چکا۔



ہنسلی:

ہنسلی بہت پرانا زیور ہے جو مختلف قوموں اور مختلف مذاہب کی خواتین استعمال کرتی رہی ہیں۔ اب یہ زیور متروک ہو گیا ہے۔ یہ گلے میں پہننے کا زیور ہے اور کافی بھاری بنتا تھا۔ کم از کم اسکا وزن 250 گرام سے لے کر 500 گرام تک ہوتا تھا۔ اب ذرا اس خاتون کے بارے میں سوچیں جو ہر وقت آدھا کلو وزن ہر وقت گلے میں ڈالے رکھتی تھی۔ ہنسلی چاندی کی دھات سے بنائی جاتی تھی۔



گل سری:

گل سری بھی گلے میں پہننے والا خواتین کا پسندیدہ زیور رہا ہے۔ گو کہ آجکل یہ استعمال میں نہیں ہے۔ہاں،اس سے ملتے جلتے زیور مارکیٹ میں ضرور موجود ہیں۔ اس کے بننے میں سونے اور چاندی کے سکےاستعمال ہوتے تھے۔اور جو صاحب حیثیت نہ ہوتے تو چاندی کے سکّوں پر سونے کا پانی چڑھوا لیتے تھے۔



جھالرہ:

جھالرہ چاندی کے سکوں سے بنا ہوا گلے میں پہننے کا زیور ہوتا تھا۔اب متروک ہو چکا۔اس وقت جب زمانے نے ٹیکنالوجی میں اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ ایک عام سنار اپنی کاریگری اپنے ہاتھ سے دکھاتا تھا۔ تو یہ شاہکار بنتا تھا۔ اسکو مزید خوب صورت اور سُنار کے ساتھ کام کرنے والا وہ کاری گر ہوتا تھا جو رنگین دھاگوں میں اسے پرو کر ہار کی شکل دیتا تھا۔

مٹر مالا:



سونے یا چاندی کے گول منکوں سے بنی دو لڑیوں والا یہ ہار جب سرخ رنگ کے چھوئٹے موتیوں سے جڑا جاتا تھا تو بہت خوب صورت لگتا تھا۔ اور اسے نہ صرف نئ نویلی دلہن پہنتی تھی ۔ بلکہ زیادہ عمر کی خواتین بھی استعمال کرتی تھیں۔



نیام:

نیام دل کو شکل کا زیور ہوتا تھا۔ جسے ہر خاندان اپنی حیثیت کے مطابق چھوٹا یا بڑا کر کے بنوالیتا تھا۔ اور اس کے بعد اسے رنگین دھاگوں سے جڑالیا جاتا تھا۔ جب دھاگوں کا رنگ ماند پڑنے لگتا تو اسے دھلوا کر دوبارہ جڑالیا جاتا تھا۔ اور زیور پھر سے نیا بن جاتا تھا۔



کنٹھلہ:

سوتی یا ریشمی سنہری دھاگے میں گندھا ہوا گول یا دل کی شکل والا یہ ہار بہت خوب صورت لگتا تھا۔ اس میں بڑے بڑے سرخ رنگ کے موتی اس کی شان بڑھاتے تھے۔

افسوس کہ اب یہ بھی استعمال میں نہیں آتا۔ صرف تصویر ہی دیکھی جاسکتی ہے۔



بوجلی:

بوجلی کانوں میں پہننے کا بھاری زیور تھا۔ جس سے کانوں کے سوراخ بڑے ہو جاتے تھے۔ لیکن کہتے ہیں ناں کہ شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا۔ ہر زمانے کے اپنے بناؤ سنگھار ہوتے ہیں ۔ تو اس زمانے کی خواتین اسکا وزن برداشت کرتی تھی۔ شاید آجکل کی خواتین نہ کر سکیں۔

نتھ:

پورے برصغیر میں ہر قوم اور علاقے میں استعمال ہونے والا مشہور زیور ہے۔ پہلے تو نتھ کے بغیر دلہن کے زیورات مکمل نہیں ہوتے تھے۔ کہیں کہیں آج بھی شوقیہ بنوالی جاتی ہے۔ لیکن صرج اپنی شادی میں یا پھر خاندان میں شادیوں پر دلہنیں استعمال کر لیتی ہیں َ۔ یہ زیور ہر وقت استعمال نہیں ہوتا۔





بیسر

اسے آپ نتھ کی چھوٹی شکل سمجھ لیں۔ لیکن یہ ناک کے درمیانی حصے میں ڈالی جاتی تھی۔ اور ایک

دفعہ ڈل گئی تو پھر نہیں نکالی جاتی تھی۔ پھر تو مرتے دم تک عورت کے ناک میں رہتی تھی۔

ٹِکا:



نتھ اور ٹِکا ایسے دو زیور تھے۔ جن کے بغیر نکاح ادھورا سمجھا جاتا تھا۔ یعنی دلہن ان کے بغیر ادھوری سمجھی جاتی تھی۔ ٹِکا مختلف سائز میں بنتا تھا۔ لیکن ہوتا ضرور تھا۔ اور سونے کی دھات میں ہی بنتا تھا۔ آج بھی یہ زیور شادی میں ضرور نظر آتا ہے۔



آرسی:

یہ آئینہ جڑی ہوئی ایک انگوٹھی ہوتی ہے۔ عام طور پر اسے انگوٹھے میں پہنا جاتا ہے۔ اس میں کیونکہ آئینہ جڑا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دلہن کو فوری طور پر منہ دیکھنے کا کام آتا ہے۔ اس کا استعمال مغلوں کے دور میں زیادہ دیکھا گیا۔

ہتھ پھول:



سونے یا چاندی کا بنا ہوا زیور جو پانچ انگوٹھیوں اور ایک کنگن سے باریک

زنجیروں سے جُڑا ہوتا ہے۔اور ہاتھ کی پشت پر درمیان میں ایک پھول ہوتا ہے۔جو پورے ہاتھ کو پہنچی تک ڈھانپ لیتا ہے۔آجکل اس کا بھی استعمال متروک ہو چکا ہے

چھن:



چاندی کے کڑے کے اوپر چاندی کی باریک پتیوں کو مختلف انداز میں کاٹ کر سینکڑوں کی تعداد میں باریک تاروں سے کڑے کے اوپر گوندھا جاتے ہے۔اور جب ہاتھ ہلتے ہیں تو بہت خوب صورت آواز آتی ہے۔

پچھیلی:



سونے یا چاندی کے بنے ہوئے نگینہ لگے ہوئے کڑے جو ہاتھ میں سب سے پہلے پہنے جاتے ہیں۔ہاتھ میں زیور پہننے کی ترتیب کچھ اس طرح ہوتی ہے۔سب سے پہلے پچھیلی، پھر سُوت، اس کے بعد چھن اور پھر چھیل کڑے۔یوں ایک عورت کا پورا ہاتھ زیور سے بھر جاتا ہے۔اور اسے چوڑیوں کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔



سُوت:

چاندی کے دو باریک چپٹے تاروں کو بَل دے کر ایک تار بنایا جاتا ہے اور پھر اسے چوڑی کی شکل دے دی جاتی ہے۔ ایک ہاتھ میں تین سے چھ چوڑیاں پہنی جاتی ہیں۔ لیکن اب یہ زیور بھی متروک ہو چکا ہے۔



چھیل کڑے:

یہ چاندی کے کھوکلے پائپ سے بنتے تھے اور انہیں پہننے کے لئے ان کو کھولا جا سکتا تھا۔ کیونکہ یہ بلکل فٹ ہوتے تھے اور ان کے پیچھے باقی زیورات کو آگے نہیں آنے دیتے تھے۔



پازیب:

پازیب ایک بہت مشہور زیور ہے جسکا ذکر اردو لٹریچر میں بہت پایا جاتا ہے۔ چاندی کی بنی ہوئی پازیب میں گھنگرو کم از کم دو سو سے تین سو ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی پازیب پہن کر چلتا ہے تو بہت خوب صورت جھنکار سنائی دیتی ہے۔

کَڑی:



چاندی کی بنی ہوئی ٹھوس سلاخ کا یہ زیور کافی بھاری ہوتا ہے۔ لیکن گاؤں کی خواتین خاص طور پر اس کو بہت پسند کرتی ہیں۔ یہ زیور بھی ایک دفعہ پہن کر بار بار نہیں اتارا جاسکتا کیونکہ اسے پہننے یا اتارنے کے لئے سُنار کے پاس ہی جانا پڑتا ہے۔



چُٹکی:

پاؤں کی انگلیوں میں پہننے کی انگوٹھیوں کو چٹکی بولا جاتا ہے۔ اور ہریانوی علاقے اور یو۔ پی کے علاقے کی خواتین اسے زیادہ استعمال کرتی ہیں۔ ویسے آجکل بھی خواتین کے استعمال میں دیکھا جا رہا ہے۔

راگنی—پاکستان میں ہریانوی لوک ادب کی ایک گمشدہ چھوری

(یہ مقالہ اسلامک انٹر نیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد میں پڑھا گیا)

محمد اختر مرزا

(یہ مقالہ اسلامک انٹر نیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد میں منعقدہ انٹر نیشنل کانفرنس میں پڑھا گیا)

جناب صدر۔ ممبران آرگنائزنگ کمیٹی۔ معزز خواتین و حضرات

السلام علیکم !

سب سے پہلے تو میں کانفرنس کی آرگنائزنگ کمیٹی کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ اتنے کم وقت میں اتنا جامع پروگرام کا انعقاد کر کے پاکستان میں مختلف زبانیں بولنے والوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا تاکہ ہم پاکستان میں بولی جانے والی زبانوں کے متنوع لہجے، شاعری، لوک کہانیاں۔ قصے اور داستانوں کے بارے میں جانیں۔

میں آج کے دن خود پر فخر کر رہا ہوں کہ پہلی دفعہ ایک انٹر نیشنل پلیٹ فارم پر اپنی مادری زبان کو متعارف کروا رہا ہوں۔ ہریانوی برصغیر کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے۔ اور متعدد ماہرین لسانیات اور محققین نے اس بات کو مانا ہے کہ ہریانوی ہی ہماری قومی زبان، اردو کی ماں ہے۔ برج بھاشا اور کھڑی بولی اس کے متبادل نام ہیں اور یہ بولی دلّی، اتر پردیش راجھستان اور موجودہ ہریانہ کے آس پاس کے علاقوں میں بولی جاتی تھی۔ اس زبان کے پانچ رجسٹرڈ لہجے ہیں۔

1۔ بانگری۔ 2۔ باگڑی۔ 3۔ میواتی۔ 4۔ کھادری/نردکھی۔ 5۔ آہیر واٹی

1947ء میں ان علاقوں سے ہجرت کر کے آنے والے لوگ اپنے ساتھ زبان کے یہ لہجے بھی لائے اور آج تک اپنے گھروں میں ان لہجوں کی ہی پرورش کر رہے ہیں۔
ہریانوی شاعری اور موسیقی میں راگنی ایک بنیادی صنف ہے۔ سر زمین ہریانہ نے جہاں کئی ساز اس علاقے کو دیئے جن میں سب سے اہم سارنگی ہے۔ وہاں راگنی کی صورت میں شاعری کی ایک ایسی صنف بھی دی جو کئی سو سال گزرنے کے باوجود آج بھی اسی شوق سے گائی اور سنی جاتی ہے۔ راگنی کے ذریعے لوک کہانیاں، تاریخی واقعات اور داستانوں کو انتہائی کم الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ جب لوگ لکھنے پڑھنے سے دور تھے تو اس وقت بھی یہ راگنیاں سینہ بسینہ یاد رکھی جاتی تھیں اور نسل در نسل آگے بڑھتی رہتی تھیں۔ اور خوشگوار حیرت اس بات پر کہ شاعر ہی اس کا موسیقار بھی ہوتا تھا اور گلوکار بھی۔ ہریانوی لوک زندگی میں راگنی کی خاص اہمیت ہے۔ یہ گانے کا وہ انداز ہے جس کے ذریعے تاریخ، کہانیوں اور لوک زندگی کے مختلف پہلوؤں کو کم الفاظ میں موثر انداز میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ راگنیاں بنیادی طور پر سانگ کے ایک اہم حصے کے طور پر تیار ہوئیں۔ تاہم، ان کے علاوہ، کچھ راگنیاں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جو کسی گیت یا کہانی کا حصہ نہیں ہیں۔ ہندوستانی تھیئٹر یا سانگ جو کہ باقاعدہ ایک ڈرامہ ٹیم کی شکل میں پرفارم کرتا ہے۔ اس کی بنیادی اکائی راگنی ہی ہے۔ بڑے بڑے قصے اور کہانیاں جن کے ذریعے پورے گاؤں کو ساری ساری رات مسحور کر کے بٹھا لیا جاتا ہے، وہ انہیں راگنیوں کے بول اور گانے والے کے لہجے کی مٹھاس اور اٹھان پر ہی منحصر ہوتا ہے۔ عموماً راگنی میں دو کردار سوال، جواب کے انداز میں شاعری میں باتیں کرتے ہیں۔ اور ڈائیلاگ کی بجائے شعروں میں بات ہوتی ہے۔

انڈیا کے شہر نارنول کے بہاری مل کو پہلا با قاعدہ راگنی لکھنے اور گانے والا تصور کیا جاتا ہے جس نے 1206ء میں عوام الناس کی توجہ راگنیوں کے ذریعے مبذول کروائی۔ راگنی نے عام آدمی کے جذبات کی نمائندگی کرنا شروع کی، جن میں دکھ، سکھ، پیار، محبت۔ بہادری اور بے وفائی سب کچھ سمو دیا گیا۔ عام فہم لفظوں کے ذریعے کی گئی شاعری کو جب شاعر نے گا کر سنایا تو ایک سماں بندھ گیا۔ پھر سازندے ساتھ بیٹھنے لگے اور ایک پوری ٹولی بن گئی تو باقاعدہ گاؤں کے کھلے میدان میں سٹیج لگنے لگا۔ اور یوں "سانگ" یا "سوانگ" شروع ہو گیا۔ سانگ کی شکل میں اسٹیج ہونے کے باعث میوزیکل ڈرامہ نہ تو کرداروں کی مخصوص شخصیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے وسیع بیانیہ کا سہارا لیتا ہے اور نہ ہی اشاروں، دلائل یا گفتگو کی باریکیاں ان کی ذہنی الجھنوں کو پیش کرتی ہیں۔ بلکہ جذبات پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ اس لیے گیت میں کہانی کا بہاؤ راگنی کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔

راگنی میں بنیادی عنصر جذبات ہیں۔ ایسے جذبات جو انفرادیت اور قربت کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ فرد کی اجتماعی شخصیت کو نشانہ بناتے ہیں۔ دیہی معاشرے کی زندگی کی روایات میں ابھرنے والے مسائل کے متعلق راگنی کے ذریعے ایسے احساسات کا اظہار کیا جاتا ہے جو عام اور مستحکم شکل حاصل کر چکے ہوں َ۔ راگنی کو کیونکہ سامعین کے سامنے کھڑے ہو کر گایا جاتا ہے، اس لئے یہاں جذبات کو ترتیب دیا جاتا ہے اور آسانی سے پکڑ میں آنے والے محاوروں اور لفظوں میں پرو کر مانوس تال اور دھنوں میں ترتیب دیا جاتا ہے تاکہ بیان کئے گئے احساسات لوگوں کو پسند آئیں۔ لوگ راگنی کے بولوں کو اپنے دل کی دھڑکن کا اظہار کرنے والی ترکیب کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ راگنی کی اصل طاقت جذبات کی تشہیر اور اظہار کی آسانی میں ہے۔ راگنی کی اصل زندگی عام لوک زبان کے محاوروں میں سادہ سُر اور تال کو اپنانے اور کہانی کے ایسے دل میں اتر جانے والے موضوعات کا انتخاب کرنے میں ہے جو لوگوں کے ذہن میں نقش ہو جائے۔ ان سب

عناصر کی موجودگی میں ہی راگنی لوگوں کے احساسات، درد اور دبی ہوئی خواہشات کو سادہ اور آسان فہم انداز میں پیش کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

راگنی کو عام لوگوں کی سوچ کو نکھارنے اور ان کے جذبات کو سنوارنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ان راگنیوں میں اکثر قدرتی آفات اور سماجی اصولوں کو برقرار رکھنے کے لئے دی گئی قربانیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کرنے والے شخص کی خودی کو خصوصی وقار دیا جاتا ہے۔ سماجی برائیوں کا شکار محنت کش عوام کی بغاوت کے جذبے اور ان کے فطری جوش و خروش کا اظہار بھی بعض اوقات ان راگوں میں ہوتا ہے لیکن بنیادی عنصر صبر و تحمل اور ایثار و قربانی ہی رہتا ہے۔

سامعین کرام!

آیئے میں آپ کو برصغیر کے نامور راگنی لکھنے اور گانے والے لوگوں سے متعارف کراؤں۔

نام	عہد	نام	عہد
چیتن شرما	13ویں صدی	پنڈت لکھمی چند	1945-1903
بہاری مل	13ویں صدی	دھنپت سنگھ	1979-1916
کشن لال بھٹ	16ویں صدی	جاٹ مہر سنگھ دہیا	1944-1918
شیوکاور	16ویں صدی	بندہ بلھے والا	3 گیانی میر چاندی والا
سعداللہ	1760	ممتاز میر بوانی	بندے میر مہمی
بنسال	1802	امیر باگڑی	زیب النساء زیبو
احمد بخش	1850-1800	حاجن حسینہ کلائنت والی	میر محمد صدیق
علی بخش	1899-1854	فضل دین	افضل باگڑی

سورج بھان ورما	1942-1889	جھنڈومیر	محمد سلیمان بادی
پنڈت سروپ چند	1956-1890	جموامیر	

پنڈت لکھمی چند، مہر سنگھ اور جھنڈو میر کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب انگریز سامراج سے آزادی کے لئے جدوجہد کی جارہی تھی۔ تو اس وقت کی راگنیوں میں حب الوطنی، قربانی اور آزادی کی تڑپ ابھارنے والی راگنیاں لکھی گئیں۔ یہ راگنیاں خاص طور پر پرانے نظریات کی بحالی کے تناظر میں اور موجودہ نظام کے تحت عام لوگوں کے دکھوں کے اظہار کو زیادہ اثر انگیز بناتی ہیں۔ لیکن محبت کے راگوں میں غالب ہونے کے باوجود یہاں اکثر محبت کے جذبات کو دھندلا دیا جاتا ہے۔ ان راگنیوں میں محنت کش عوام کے اندر زندگی کی طرف لازوال جوش نظر آتا ہے۔ لیکن رسم ورواج کے مصنوعی میلوڈرامے کی رسومات لوک نفسیات سے پھوٹنے والی فطری محبت اور جوش کو بھی بگاڑ دیتی ہیں۔ کیونکہ تحریک آزادی سے اٹھنے والی جدت کی لہر کا اظہار بھی راگنی کے ذریعے ہو رہا تھا۔ چنانچہ روایتی اقدار کے قیام، مصائب برداشت کرنے کی رواداری اور پیار محبت کے دھندلے اظہار کے اندر سے ہم کبھی کبھی راگنی کی روایت میں ایک اور آواز سنتے ہیں۔ جس میں فرد کے انسانی وقار، استحصال اور جبر کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اور سماجی خاندانی تعلقات کو مزید مستحکم بنانے کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ شاعر اور گلوکار عام لوگوں کے حالات، بول چال اور محاورات پر بہت مضبوط گرفت رکھتے تھے اور انہیں عوام کے بنیادی رجحانات کو تال میل سے پیش کرنے میں مہارت تھی۔ یہ لوگ اپنے اپنے عہد کے چیلنجوں کی گہری سطح پر محسوس کرتے ہیں۔ اور مواد کی صورت میں وہ اپنی تخلیقات میں بالواسطہ طور پر اپنے زمانے کے مسائل کی جھلک پیش کرتے ہیں۔ یہ راگنی لکھنے والے تصوف اور تقدیر پرستی کا پرچار بھی اپنی راگنیوں میں کرتے نظر آتے ہیں۔

راگنی کی اصل زندگی عام لوک زبان کے محاوروں میں ایک سادہ تال کو اپنانے اور ایسی دل کو چھو لینے والی کہانیوں کا انتخاب کرنے میں ہے جو لوگوں کے ذہن میں نقش ہو جائیں۔ ان سب کی مدد سے ہی راگنی لکھنے والا لوگوں کے احساسات، ان کے درد اور دبی ہوئی خواہشات کو سادہ اور آسان انداز میں پیش کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ راگنی کی حدود کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان نئ قسم کی ترکیبوں میں بھی بنیادی زور جذبات کے اظہار پر دیا جائے نہ کہ منطق پر۔

معزز حضرات!

اب میں حالات کا رخ بٹوارے کے بعد ہجرت کر کے آنے والے لوگوں، راگنی کے شاعروں ، اداکاروں اور گلوکاروں کی طرف موڑتا ہوں۔ یوں تو مسلمان گایئکوں اور شاعروں نے اپنا لوہا متحدہ ہندوستان میں ہی منوالیا تھا۔ جھنڈو میر جو کہ پارٹیشن کے بعد اوکاڑہ شہر میں آباد ہوئے، لکھمی چند کے مقابلے کے راگنی گانے والے تھے۔ اور اتنی شہرت اور عزت پائی کہ خود لکھمی چند ان کے سامنے گانے سے کتراتے تھے۔ دونوں کا استاد ایک ہی تھا یعنی دونوں کوی مان سنگھ کے شاگرد تھے۔ ایک مرتبہ لکھمی چند جھنڈو میر کے گاؤں دیرہ میں سانگ کرنے آیا تو اس شرط پر کہ جھنڈو گاؤں میں موجود نہ ہو۔ جو جھنڈو میر نے مان لیا کہ میں سانگ میں نہیں آؤں گا۔ پر وہ اپنے گاؤں میں ہی رہے۔ سانگ شروع ہونے کے دوسرے دن لکھمی چند کو معلوم ہو گیا کہ جھنڈو میر گاؤں میں ہی ہے تو اسے بلوالیا۔ اور سنا۔ پھر خود مان بھی گیا کہ جھنڈو واقعی بڑا گائیک ہے۔ جھنڈو میر کا کلام ہریانے میں آج بھی دل سے گایا جاتا ہے اور اتنا ہی مشہور ہے جتنا پارٹیشن سے پہلے تھا۔

ان مہان شاعر گائیکوں کے مشہور سانگ جو ظاہر ہے کہ راگنیوں پر مشتمل ہیں۔ یہ ہیں۔

راجہ بھوج۔ راجہ امب۔ ستو نتی۔ چاپ سنگھ۔ جانی چور۔ ہیر رانجھا۔ سوہنی مہینوال۔ کولا دیوی۔ گجنا۔ چندر کرن۔ پورن بھگت۔ راجہ نل۔ قصہ حضرت داؤد علیہ السلام۔

قیام پاکستان کے بعد یہ لوگ اوکاڑہ، ملتان، سکھر اور محرابپور کے شہروں میں آباد ہوئے۔ اور 80 کی دہائی کے وسط تک یہ پاڑیاں گاؤں، گاؤں اور شہر شہر گھوم کر اپنے فن کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ دس سے پندرہ لوگوں پر مشتمل پارٹی دو، دو ہفتے کے لئے قیام کرتی اور عشاء کے بعد سے لے کر رات ڈھلنے تک یہ لوگوں کو محظوظ کرتے۔ سننے والوں میں زیادہ تعداد بڑی عمر کے لوگوں کی ہوتی جو اپنی جوانی ہریانہ میں گذار آئے تھے۔ لیکن جوان اور نوجوان لوگ بھی اچھی خاصی تعداد میں سننے آتے تھے۔ عموما" عورتوں کے کردار بھی مرد ہی نبھاتے تھے۔ اور جب وہ لکڑی کے تختوں کے سٹیج پر ڈانس کے دوران جمپ کرتے تو تختوں کے ٹوٹنے کا ڈر رہتا تھا۔ اس کے علاوہ مزاح بھی ان سانگوں کا حصہ ہوتا تھا۔ جو نوجوانوں کو دیر تک بٹھانے کا سامان کرتے تھے۔

محمد شریف بنواری ولد نادر علی ایک ایسا راگنی لکھنے والا گذرا ہے جس نے پاکستان بننے سے پہلے ہی سانگ شروع کر دیئے تھے۔ اور پاکستان بننے تک اس کا نام ہریانہ میں عزت سے لیا جاتا تھا۔ بنواری نے بیس سال تک انڈیا میں سانگ کئے پاکستان آ کر اوکاڑہ میں رہائش اختیار کی اور 1975ء تک پاکستان میں لوگوں کو محظوظ کیا اور نام کمایا۔ ہریانوی راگنی لکھنے والوں میں بنواری کا نام ایک بڑا نام ہے۔ اس کے مشہور سانگ، چندر کرن۔ منا کور۔ پورن بھگت اور ستو نتی ہیں۔ یہ کہانیاں تو پرانی ہیں۔ لیکن ان کی راگنیاں بنواری کی طبع زاد راگنیاں ہیں۔ ڈائیلاگ ڈیلیوری میں بنواری کسی کے کم نہیں تھے اور کسی اور کو اپنے سامنے بولنے کا موقع ہی نہیں دیتے تھے۔ دو سال اوکاڑہ میں رہنے کے بعد ملتان ٹمبر مارکیٹ میں آ کر قیام کیا۔ بنواری کے ذکر کے بغیر راگنی لکھنے والوں کی تاریخ ادھوری رہے گی۔

بنواری کا نمونہ کلام پیش ہے۔

مرے کہے کی ناں مانے مینھ زہر منگا کے کھالیوں
توں بیشک کھالیے زہر پری جد باھر شہر تھے جالیوں
بنواری لال کس طرح جاییں تیرے گل مینھ جپھی پالیوں
اسامریا ہویا منے مت سمجھے میں ہانگے تھے ناڑ چھٹالیوں

ایک اور نام عبدالعزیز عرف گیانی میر کا بھی ہے۔ اسے بچپن سے ہی سانگ دیکھنے اور راگنی سننے کا شوق تھا۔ یہی شوق اسے ایک دن ضلع حصار میں اپنے وقت کے نامی گرامی سانگی ہر پھول کے گاؤں بوانی لے گیا اور اس کی شاگردی اختیار کی۔ ہر پھول کے ساتھ دس بارہ سال سانگ کرنے کے بعد اپنی سانگ پارٹی کی بنیاد رکھی اور پاکستان بننے کے وقت لگ بھگ سولہ سال ہریانے میں اپنے نام کا ڈنکا بجوایا۔ پاکستان میں پہلے اوکاڑہ میں رہائش اختیار کی اور اپنی پارٹی بنانے کا کام ملتان، پرانا شجاع آباد روڈ پر آکر کیا۔ ملتان میں ان کے شاگردوں میں رمضان دھمانیا۔ نیک محمد نیکو۔ محمد سلیم کے ٹو۔ اللہ رکھا عرف چمن۔ چھوٹی مینا، شیداں بی بی۔ کوثر اور سدو ہیں۔ کچھ عرصہ بعد وہ کراچی شفٹ ہو گئے اور باقی تمام عمر سندھ کے باسیوں اور راگنیوں کے متوالوں کی خدمت کی۔ گیانی میر کے انڈیا میں ہم عصروں میں میر بندے علی۔ جھنڈو میر۔ میر بندے علی ممی۔ امیر باگڑی جیسے مانے ہوئے شاعر تھے۔ پر گیانی نے اپنی الگ پہچان بنائی۔ گیانی میر نہ صرف اپنے عہد کا اچھا اداکار تھا بلکہ اپنے وقت کا ہریانوی زبان کا نامور شاعر بھی تھا۔

حاجن حسینہ نے پاکستان آکر اپنی بہن محمودہ اور بیٹی نگینہ نرگس کے ساتھ مل کر ایک سانگ پارٹی بنائی۔ اور پورے ملک میں کامیابی کے جھنڈے گاڑے۔ حاجن حسینہ اور ان کی بیٹی کو متعدد بار ہریانوی زبان کی نمائندگی کے لئے پی۔ ٹی۔ وی اور لوک ورثہ نے بلایا۔ پرانی ویڈیو ٹیپس ضرور ریکارڈ میں موجود رہی ہونگی۔ حاجن حسینہ کی پارٹی پاکستان میں

راگنی لکھنے والوں اور سانگ کرنے والوں کی آخری ٹولیوں میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ لوگ پورے پاکستان میں گھومے جہاں جہاں ہریانوی زبان بولنے والے لوگ رہتے ہیں۔ حاجن حسینہ جب سر پر پگڑی باندھ کر مردانہ کردار ادا کرنے سٹیج پر آتی تھی تو لوگوں کے نعرے اور شور کافی دیر تک سنا جاتا تھا۔ راقم نے بھی اپنے شہر میں حاجن حسینہ کو پرفارم کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ لوگ رات ڈھلنے تک سانگ دیکھنے کے لئے بیٹھے رہتے تھے۔

حاجن حسینہ کے مشہور سانگ امب راجہ کی راگنی سے اقتباس پیش کرتا ہوں۔

ماتھے میں بل تین پڑیں میرے۔ تیں کیوں روٹھ گیا

امر تسر کا دان ار پانی او گوری او ٹھ گیا

امر تسر سے شہر تیرا کیوں قہر دکھائی دے؟

میرا اور کرم کارے گوری بیر دکھائی دے

ایک اور راگنی کے چند شعر پیش خدمت ہیں۔

ہاتھ جوڑ کے کہہ رہی سوں کر اوڑے جاݨ کا ٹالا

ناں میں اوڑے جاݨ کی ٹال کروں چہے کر لے جی کا گالا

تیرے گل کے بینھ لیوں گھال اوڑھنا کیوں بݨ رہیا ہانگے آلا

میں تری ایب مرمت کردیوں سوں ۔ سے لاٹھی بھیت بچالا

اپنے مقالے کے اختتام کی طرف آتے ہوئے میں ذکر کرنا چاہوں گا کہ آخر کیوں یہ لوگوں کے دلوں کو گرمانے والی راگنیاں لکھنے والے گم ہوتے چلے گئے اور ہوتے ہوتے بلکل معدوم ہو گئے۔ تو اس بارے میں عرض ہے کہ جب وہ لوگ جن کا تعلق اس عمر کے ساتھ تھا جو انڈیا سے ہجرت کے وقت جوانی یا لڑکپن میں تھے۔ وہ راگنی لکھنے اور گانے والوں کی سرپرستی کرتے تھے۔ ہریانوی ثقافت کے مطابق شادیاں لمبی سرگرمی کے طور

پر منائی جاتی تھی جس میں لڑکی والوں کے گھر لڑکے کی بارات کم از کم تین دن تک قیام کرتی تھی۔ اور اچھے کھاتے پیتے گھرانے اس وقت ضرور اپنی شادیوں میں مہمانوں کی تفریح طبع کے لئے سانگ پارٹیوں کو بلاتے تھے۔ رات گئے تک خوب میلہ لگتا۔ دور دور سے مہمان آتے تھے تو سب ایک دوسرے سے نہ صرف ملتے تھے بلکہ یہیں اپنے بچوں کے رشتے بھی طے کرتے تھے۔

سانگ پارٹی کو نہایت عزت کے ساتھ رہنے اور کھانے پینے کی سہولت مہیا کی جاتی تھی۔ وہ لوگ سارا دن سو کر گذارتے تھے اور سر شام رات کے شو کی تیاری میں لگ جاتے۔ لڑکے عورتوں والے کپڑے پہن کر دیسی میک اپ کر کے جب گیس یا لالٹین کی روشنی میں عوام کے سامنے آتے تو پہچانے نا جاتے۔ یہ لوگ اچھے صدا کار۔ گلوگار اور اداکار ہوتے تھے۔ ہنسی مذاق کے لئے کامیڈین بھی ساتھ میں ہوتے تھے۔ تاکہ اگر کسی جنگی کہانی، کوئی اداس یا غم زدہ ماحول کو طربیہ بنانا ہو تاکہ لوگوں کی بوریت کو بھی کم کیا جا سکے تو یہ لوگ کام آتے تھے۔ اور پھر جب اُس نسل کے لوگ کم ہوتے گئے تو نوجوانوں نے فلموں کی طرف رخ کر لیا۔ جہاں پردہ سیمیں پر زیادہ بہتر سیٹ، جدید ساؤنڈ سسٹم اور بہترین میک اپ میں موجود اصلی لڑکیاں جدید ڈانس کرتی نظر آتیں۔ تو وہ رات کی ملگجی روشنی میں لڑکیوں کے کپڑے پہنے لڑکے ان کی نظروں میں گرتے چلے گئے۔ اپنی مادری زبان گھر تک محدود رہ گئی اور نوجوانوں نے مقامی زبانیں بولنا شروع کر دیں۔ تو ہریانوی کے ٹھیٹھ الفاظ کی شاعری بھی ان کی سمجھ سے باہر ہوتی چلی گئی۔ یوں آہستہ آہستہ ہمارے یہ لوک فنکار اور شاعر عسرت کی زندگی گذارنے لگے۔ میر صدیق جیسے راگنی گائیک اور شاعر کی آخری زندگی کے کچھ سالوں کا میں گواہ ہوں کہ اس کی زندگی کیسے گزری۔ ان لوگوں کی اولاد نے اپنا گائیکی کا پیشہ چھوڑ کر پیٹ کا ایندھن بھرنے کے لئے دوسرے

کاموں کی طرف توجہ دیناشروع کی۔جب کسی فن کی سرپرستی کرنے والے نہ رہیں تو پھر ایساہونامقدر رہوتاہے۔

نوہرہ پاکستان کا قیام 2016 میں عمل میں آیااور ہریانوی ادب وثقافت اور زبان کو دوبارہ سے زندہ کرنے اور اسے محفوظ کرنے کا بیڑااٹھائے ہم لوگوں نے مواد اکٹھا کرناشروع کیا۔سانگ اور راگنیوں کی شکل میں بہت ساادبی مواد آڈیو کیسٹ اور یوٹیوب پر موجود ہے۔اس سارے مواد کو تحریری شکل میں محفوظ کیاجارہاہے۔ہریانوی زبان کو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ بنانے کے لئے ہریانی قاعدہ تیار ہے۔نوہرہ میگزین زبان،ادب اور ثقافت کانمائندہ میگزین بن کر سامنے آچکاہے۔ہریانوی شاعری کاانتخاب چھپنے کے لئے تیار ہے۔پندرہ روزہ ہریانوی مشاعرہ ہریانوی کمیونٹی میں اپنی جگہ بناچکاہے اور ہریانوی شعراانتہائی پختہ شاعری کررہے ہیں۔

حاضرین کرام۔

راگنی کی صورت حال بھی اتنی دگرگوں نہیں ہے۔ابھی بھی چک نمبر 50، ضلع وہاڑی کے راؤ غفار اپنے شاگردوں کے ہمراہ اور ملتان کے افضل باگڑی جیسے لوگ نہ صرف نئ راگنیاں لکھ رہے ہیں بلکہ اس فن کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔میری دعاہے کہ پاکستان میں بولی جانے والی تمام زبانیں زندہ رہیں۔ان زبانوں کی تمام اصناف زندہ رہیں۔ان کی ثقافت اور رسم ورواج قائم رہیں۔پھلے پھولیں اور آنے والی نسلوں کے لئے بھی مشعل راہ رہیں۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرانم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

Haryanvi Lok Geet: A Dying Treasure of Haryanvi Oral Literature

Akhtar Mirza
General Secretary, "NOHRA" Organization
Tasveer Mahal, Bosan Road, Multan, Punjab, Pakistan
[akmirza2001@gmail.com]

Abstract

Haryanvi is esteemed as one of the most ancient languages of the Indian subcontinent. Researchers acknowledge it as the progenitor of Urdu, which evolved from "Khari Boli" or "Brij Bhasha."
In the wake of the 1947 partition, countless individuals migrated from what is now the state of Haryana in India to Pakistan, carrying with them their language, customs, and culture, which they have resolutely preserved to this day. Haryanvis can be found scattered throughout the country, ardently keeping their heritage alive.
Haryanvi folk songs form a vibrant and integral part of this linguistic tapestry. Their origins may be shrouded in mystery, yet they have traversed generations, primarily voiced by women. These songs often narrate poignant tales or convey the profound emotions of a newlywed bride who feels like a stranger in her in-laws' home, yearning for the joyous days spent in her parental abode. They encapsulate the full spectrum of emotions and traditions intrinsic to the region. Since these melodies are traditionally sung by women, they predominantly portray the customs, culture, daily life, and matrimonial tribulations of the community. However, the new generation is gradually forsaking these traditions as they embrace the cultures of different provinces. Thus, this oral literature must be preserved for the sake of future generations.

History of Haryanvi Language in Pakistan

Oral literature manifests as the verbal form of storytelling, transmitted from mouth to mouth through the spoken word. It encompasses folk songs, folk tales, proverbs, dances, and myths. With the passage of time, various transformations occur within its form and content; as oral traditions weave through generations, certain additions and deletions are inevitable. ***(Burne 1914)*** expresses, "SONG is so many-sided and so all-pervading a form of human expression that it is hard to say from what point of view it may best be approached." These songs are so keenly created that the most sensitive topics are discussed in them. ***(Nabil & Bismel***

2023) are of the view that “The beauty and value of oral literature is the unfamiliarity of their authors and writers. The different stories and songs reflect imaginary conditions of the folks which have been taken from the centuries or they are tribal thoughts in a short form which have been taken from the deepest of the society and returned them back to the society.” This paper will delve into the folk songs of Haryanvi oral literature, particularly focusing on those carried over by the migration of 1947, which saw Haryanvi communities settle predominantly in the provinces of Punjab and Sindh in Pakistan. The third generation of these migrants is at risk of forgetting the original treasure of their mother tongue. While the older generation endeavoured to maintain their customs, language, and folk literature, the inevitable passage of time has led to significant decline.

Haryanvi Poets and Writers who migrated to Pakistan remained busy to settling down and searching for their bread and butter. In late 50s, they started their literary work but their work remained for them as they had no means to get it printed. Raagni is a vast genre of oral literature of Haryanvi Language where poets used to write the folk tales like Heer Ranjh, Padmavat, Jani Chor, Jaimal Patha etc. These poets got inspiration of Raagnis from ***Lakhmichand (1903-45***), who is considered the Shakespear of Haryanvi Language. Usually, the poets in Pakistan like Lakhmichand, Mange Ram, Hsina Begum, Bandey Meer, Meer Afzal Bagdi, Zaib-un-Nisa and Banwari who settled in Multan, Okara, Nawab Shah etc made their own groups and use to perform their folk-tales visiting different cities. Saang (*Drama*) was performed by a group of 10-15 people, mostly men except Hasina Begum, Zaib-un-Nsia and Nagina Nargis who had their own group and Hasina used to play the male lead role in all Saangs.

This was another kind of oral literature, mostly these poets were illiterate and they used to compose the poetry and learnt it by heart. People awfully liked their drama and it went on till late at night for 5 to 6 hours daily. So is the case with poems, folk-tales, proverbs which travelled from heart to heart and now being forgotten. Haryanvi is a complete language and literary work in all genres of literature is available.

Feminism in Haryanvi Lok Geets

The Haryanvi Lok Geets resounds with elements of feminism, articulated through the voices of their female creators. These melodies vibrantly express their thoughts, both in favor of and against their relatives, asserting their physical and mental fortitude while candidly addressing any brutality they experience from those around them. When a Haryanvi woman regards herself with pride,

she adorns her identity with names such as *Phool-Jhadi* (a sparkling wonder*),* *Rani* (Queen), *Resham ki Taar* (a delicate thread), and *Sethani* (wife of a landowner). In moments of affection for her husband, she terms him *Balma, Rasyia, Chaila, Sobey Dar, Raja Ji,* and even *Goothi ka Nagina* (a sapphire in a ring), likening herself to *Beejli* (lightning) while envisioning her beloved as *Baadal* (cloud).

These folk songs, primarily crafted by women, serve as vessels for expressing their inner thoughts and struggles. Although the identities of the songwriters remain unknown, the songs continue to be sung and learned by contemporary women. According to Prem Chaudhry, "In fact, my own data collection belies the generally projected concept that only women's oral accounts can do justice to women's histories as they have a distinct 'feminine voice'; or that women's personal narratives alone are thought to provide insights into their exclusive 'feminine perceptions' **(*Chaudhry, 1994*)**. Haryanvi folk songs encompass joy, sorrow, dance, humour, and happiness. They reflect the everyday lives of farmers and the heartfelt tales of husbands who serve on war fronts, given Haryana's rich legacy as a land of both agriculture and warriors.

The Haryanvi Lok Geets embodies a wealth of themes and vocabulary, including traditions, festivals, ornaments, seasons, behaviours, animals, birds, crops, fields, relationships, and towns. In essence, these folk songs hold a universe within them for the listener.

Topics in Haryanvi Lok Songs

Jakdi Geet

This genre of Haryanvi Lok Geet is expansive and deeply evocative. ***(Kumar 2016)*** says "The Jakari, as a cultural relic of Haryanvi women's folk songs, mirrors the tumultuous journey of a young woman from puberty to motherhood." These songs express the emotions of a newlywed girl who finds herself in a foreign land, burdened by the oppressive demeanour of her mother-in-law and sister-in-law. Tasked with the daily chores, she recalls the princess-like pampering she enjoyed in her parental home. With her husband away serving in the army, she laments her isolation and longs for the festivities of her past life. The only respite she finds is during her trips to the village well, where she and her peers commune, sharing their feelings through song.

Some songs narrate tragic tales, including instances of suicide when young women are driven to despair by unbearable

Translation of a Sample Excerpt

ہے میرے نوکر گئے بھرتار مرا جی لاگتا کو نیا
اُو نیں خط گیریا ناں تار رپیے بھیجتا کو نیا
ڈھائی کا گیریا تار، تار نیں ہے بانچتا کو نیا
ہے وہ آیا محل کے بیچ محل میں چیانڈاں کو نیا
اوں نیں دیکھیا پلّا اوگھاڑ کے آنکھیاں کھولتی کو نیا
پونچے تے پکڑیا ہاتھ کے ناڑی چالتی کو نیا
بلوا دیوں بید بھتیرے آڑے کو بید بی کو نیا
ہے وہ رویا بڑ کے لاگ میرے ماں باپ بی کو نیا
پھر آیا رے چیاروں کھونٹ تیرے سی کوئے ھُور بی کو نیا

"Hey! My husband is away on duty,
I feel desolate in his absence.
He hasn't sent any letter or telegram;
Rather, I attempted to reach him, but he remains aloof.
Upon his return to the palace, there was darkness,
And as he beheld me lifeless upon the bed,
I could not open my eyes.
He felt my pulse—it was no more,
And rushed to summon a doctor, but none were found.
He wept silently for the loss of his loved ones,
Regretting that he sought, yet found none like me."

Monsoon Songs (Sawan Geet)

The monsoon season is celebrated in Haryana as a festival, with young and old alike praying for rain to nourish their crops. The gentle drops stimulate romantic feelings among men and women, compelling youth to the groves where they revel in the joy of swinging. Newlywed girls yearn to reunite with their parents and, when unable to do so, eagerly anticipate the arrival of KOTHLI (gift packages) from their families filled with sweets and garments for the groom's household. The women who migrated from Haryana to Pakistan sing these songs during the monsoon, reminiscing about their own cherished memories of youth in Haryana.

Jhoolan jaangi ey maan meri baag men ri
Aan ri koey sung Saheli sen chaar
Jhoolan jaangi ey maan meri baag men ri
Koey pandra ki maan meri koey bees ki ri
Aan ri koey sung Saheli sen chaar
Koey gori ey maan koey sanwri ri
Aan ri koey sung Saheli sen chaar

Jhoolan jaangi ey maan meri baag men ri

Mother, I will go in the garden to enjoy on swings
And four of my fellow friends are with me
Mother, I will go in the garden on swings
Some are of fifteen years old and some are of twenty
And four of my fellow friends are with me
Some are of fair complexion and some are brown
And four of my fellow friends are with me
Mother, I will go in the garden on swings

Spring Season Songs (Phagan Geet)

February heralds the arrival of spring, awakening the romantic inclinations of the heart. Meetings, separations, weddings, births, harvests, rain, and drought are all woven into the tapestry of folk songs during this time. Young women, poised to leave for their marital homes following the NIKAH, long for their beloveds. An example of a spring song expresses one girl's reluctance to accompany her father-in-law or brother-in-law, insisting instead on joining her husband in his village.

Wedding Songs

Wedding ceremonies stand as vibrant celebrations in any society, viewed as both sacred and romantic. The festivities begin with songs and culminate with them, weaving a series of interconnected events from the inception to the bride's arrival at her new home. In the Haryanvi community, celebrations commence almost a week prior to the nuptials. Below are key celebrations and associated songs:

1. Banney Bithan Key Geet
2. Bhaat Key Geet
3. Ghori Chadi Key Geet
4. Widaai Key Geet
5. Seethney

The **Bhaat** ceremony serves as a formal invitation from a sister to her brothers to attend her son or daughter's wedding. This event and its related songs hold significant emotional value in Haryanvi Lok Geets. The songs encapsulate complex emotions; when harmony prevails, it is celebrated, yet tensions stemming from familial disputes often necessitate the sister's role in reconciliation.

Another lively element within Haryanvi wedding songs is the Seethney, where women from the bride's family humorously address the groom and his ancestors, often teasing them playfully—a testament to the joy and camaraderie within the community.

The investigation of how societal structures affect folklore merits consideration, as does the inquiry into how folklore, in turn, shapes societal perceptions. As folklore evolves over time, it serves as a mirror of social conditions, often reflective of material changes that impact the community. This dual analysis reveals how social institutions articulate the formation of individual identity, offering insights into the intricate link between social and psychological realities.

In contemporary Pakistan, these folk songs resonate with great interest among the youth. A young boy named Huzaifa, aged 17 to 18 from Sindh, recalls more than fifty songs and can sing them with finesse, having learned them from his grandmother and aunts, who still express these traditions during weddings and other occasions. Haryanvi is currently regarded as an endangered language, as the younger generation increasingly gravitates toward other regional tongues. A crucial challenge is the lack of a written script for Haryanvi literature, which hampers its preservation and transmission. Fortunately, some language scholars have developed primers for Haryanvi by augmenting the Urdu keyboard with five additional characters. With the addition of these new symbols from Noto Nastaliq (a Google font), the distinct phonetics of Haryanvi can now be accurately represented in writing. Efforts are ongoing to seek philanthropists and organizations willing to assist in creating a comprehensive dictionary of the Haryanvi language. Given that Haryanvi is regarded as the mother of Urdu, such an endeavour would be invaluable in preserving this linguistic treasure.

Conclusion

In summary, Haryanvi folk songs embody diverse reflections of the 'inner world' of Haryanvi women. To comprehend their lives fully, one must engage with these songs and analyse them as one of the most significant yet oft-neglected texts. A growing consciousness of women's cultural and historical importance in the evolution of any society merits recognition. Scholars have largely focused on written literary texts or mechanical data collected over time, overlooking the intricate narratives embedded within oral traditions that illuminate women's issues. The treasure of these Lok Geet will not more be in the heart of women folk as the generation which came to Pakistan after migration in 1947 is nearly in their 80s-90s year of age. This is a perception that in rural Punjab and Sindh

Provinces, where Haryanvi Community still uses the mother language as medium of conversation and cultural traditions and rituals are followed, young generation will keep intact the oral literature of songs, proverbs, stories and idioms. Need of time is to revoke the generation living in urban geographical area to speak the mother language with the children and make them proud to be speakers of mother language in public without feeling shy. The writers of Haryanvi Language are working to collect and preserve the oral literature so that the oral treasure may not lost. The Haryanvi language speakers face the risk of losing the language as they are not living in the specific area where whole community speaks the language rather, they are scattered all over the country where Haryanvi is at risk of code mixing with Sindhi, Punjab, Urdu and Siraiki languages

References:

1. Burne S. Charlotte,(1914) *The Handbook of Folklore*, London Sidgwik & Jackson Ltd.
2. Nabil Amrullah & Bismel, Ahmad Wali) (2023) *Importance of Oral Literature from the Perspective of Ethnology*, Randwick International of Education and Linguistics Science (RIELS) Journal Vol. 4, No. 1, | Page 172-177 |http://www.randwickresearch.com/index.php/rielsj
3. Chaudhry Prem, (1994) *The Veild Women*, Delhi Oxford University Press, 1994
4. Kumar Devender, (2015) *Jakari, A Saga of Young Haryanvi Woman's Life,* https://www.academia.edu/29809958/Jakari_Life_Songs_of_Haryanvi_Women_docx,

(This research paper was presented in 28th International Language Conference arranged by Foundation for Endangered Languages, United Kingom at Allama Iqbal Open University, Islamabad 2024))

ہریانوی زبان وادب کےاُردوپراثرات

Haryanvi Language and Urdu Influences on Literature

[1] محمدصابر [2] ڈاکٹرواصف اقبال

Abstract:

Haryanvi language is spoken all around Delhi. Haryanvi has a significant influence on the early Urdu books "Miraj-ul-Ashqeen", "Kalmat-ul-Haqaiq" and "Sub-Ras". The early poetry "Khaliq Bari"," Shabd-e-Uoola" and "Bekit Kahani" influenced the effects of Haryanvi and Haryanvi linguistics and grammar. In the 21st century, Haryanvi literature has created a distinct status. Many fictions, novels are being translated. Therefore, the reality demands that this language the lost material should be found and the facts brought to light.

Keywords: **Miraj-ul-Ashqeen, Kalmat-ul-Haqaiq, Sub-Ras, Khaliq-e-Bari, Shabd-e-Uoola, Beket Kahani.**

ہریانوی زبان دہلی کے چاروں طرف بولی جاتی ہے۔ اردو کی ابتدائی کتابیں "معراج العاشقین"، "کلمۃ الحقائق" اور "سب رس" پر ہریانوی کا خاصا اثر ہے۔ ابتدائی شاعری "خالق باری"، شبداولی اور "بکٹ کہانی" پرہریانوی کے اثرات، ہریانوی لسانیات اورگرائمر کومتاثرکیا۔ اکیسویں صدی میں ہریانوی ادب نے الگ حیثیت بنالی ہے۔ بہت سے افسانے، ناول کے تراجم کیے جا رہے ہیں۔ لہٰذاتحقیق تقاضاکرتی ہےکہ اس زبان کے کھوئے ہوئے مواد کوتلاش کرکے حقائق منظرِعام پرلائے جائیں۔

کلیدی الفاظ: معراج العاشقین، کلمۃ الحقائق، سب رس، خالقِ باری، شبداولی، بکٹ کہانی۔

ہریانوی زبان اپنا ایک خطہ رکھتی ہے۔لسانیات کےاُصولوں کےمطابق زبان وادب کاایک بیش بہا خزانہ رکھتی ہے۔تہذیبی،ادبی اورثقافتی پس منظر رکھتی ہے۔اُردونظم ونثرپراس کےبہت گہرے اورنمایاں اثرات ہیں لیکن ماضی میں اس کو وہ شناخت اوراہمیت نہ دی گئی جس کی یہ مستحق

1 سکالرپی ایچ ڈی(اردو)، شعبۂ اُردو، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور

2 اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور

تھی۔ایک لمبےعرصے سے صوبہ ہریانہ میں یہ نویا دس لہجوں کےساتھ بولی جاتی رہی ہےاورآج بھی اپنا ایک مضبوط حوالہ رکھتی ہے۔

''ایک زبان جوپنجاب کے اضلاع

انبالہ، کرنال، رہتک، حصار، گوڑگاؤں اور ریاست جیند میں بولی

جاتی ہے۔[1]

یہ علاقہ1966ء میں صوبہ بن گیااوراس کادارالحکومت چندی گڑھ ہے۔اس کی زبان ہریانوی ہے۔ ہریانہ،سنسکرت کےلفظ"ہری"جس کامطلب "سبز"اور"آرہانہ"بمعنی"جنگل"سےمل کر بنا ہےلہٰذاہریانہ کا مطلب سبزجنگلات ہوا۔"رکھی کٹوی"اس صوبے کا قدیم ترین شہر ہے۔پرانےوقتوں میں اس خطےکو دو حصوں میں تقسیم کیاجاتا تھا۔بانگڑ جس میں ہریانی کو بانگڑی یابانگڑوکانام بھی دیا جاتاتھا۔دوسرےحصے کی ہریانوی کاتعلق جاٹ برادری سےتھااس لیےاسےجاٹوکہتےتھے۔پڑھےلکھے افراداس زبان کوہریانوی اور مقامی افراددیس والی کہتےتھے ۔

''یہاں ایک بات اور مدنظر رکھنی چاہیے کہ اُردو پر بانگڑو یا

ہریانوی کا قابل لحاظ اثر ہے۔[2]

اُردوکےابتدائی نقوش جودکن سےبتائےجاتےہیں ان کاجائزہ لیاجائےاوراُن کوتاریخی تناظر میں دیکھاجائےتوایک بات واضح ہوجاتی ہےکہ اُردونےجن زبانوں کوبنیادبناکرآغازِ سفرکیااُن میں سے ہریانوی بہت اہم اورنمایاں ہے۔

''اُردو برج، ہریانوی، قنوجی اور بندیلی کا مشترک سرمایہ

ہے۔''[3]

گریرسن نےہریانوی کومغربی ہندی سےنکلی ہوئی زبان کہا ہے۔گیارھویں، بارھویں صدی میں مدھیہ پردیس میں اس کی پانچ اقسام بتائی گئی ہیں جن میں سے ہریانوی ایک ہے۔

مغربی ہندی

ہریانوی کھڑی برج قنوجی بندیلی

پہلی دونوں زبانوں میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔مثال کے طور پر دونوں کا لہجہ کھڑا ہے اور ''آ''صیغہ واضح دکھائی دیتا ہے جب کہ باقی تینوں زبانوں میں ''او''لہجہ دکھائی دیتا ہے۔

ڈاکٹر مسعود حسین خان کے مطابق کھڑی بولی جسے ہندوستانی بھی کہا گیا ہے اُس کا علاقہ بھی وہی ہے جو ہریانوی کا ہے:

''مغربی ہندی کی وہ بولی جو مغربی روہیل کھنڈ دوآبہ کے شمالی حصّہ اور پنجاب کے ضلع انبالہ میں بولی جاتی ہے گریسن اسے ہندوستانی کہہ کر پکارتا ہے۔اس میں اور ادبی ہندوستانی (اُردو) میں ماں بیٹی کا تعلق ہونے کے باوجود بیرونی اثرات کی وجہ سے بعض اختلافات پائے جاتے ہیں۔''[4]

کھڑی بولی کے علاقہ میں انبالہ ڈویژن بتایا گیا ہے جب کہ انبالہ اور جیند پر مشتمل ہریانوی کے اصل خطہ میں شامل ہیں۔

ڈاکٹر مسعود حسین خان لکھتے ہیں:

''ہریانوی، بانگڑو یا جاٹو''دہلی کے شمال مغربی اضلاع کرنال، رہتک، حصار وغیرہ کی بولی ان تینوں ناموں سے پکاری جاتی ہے لیکن اس کا ہریانوی نام زیادہ موزوں ہے۔ ہریانوی مسلمانی
عہد سے بھی قبل کا نام ہے۔دہلی میں یہ نام جاٹو کے نام سے مشہور ہے۔''[5]

ڈاکٹر رام بلاس شرما نے ان تمام مفروضوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ڈاکٹر مسعود حسین خان،ڈاکٹر رام بلاس شرما سے متفق دکھائی دیتے ہیں اور وہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں:

''کھڑی بولی کے شمال مغربی علاقے کی عوامی زبان کوئی علیٰحدہ
حیثیت نہیں رکھتی بلکہ ہریانوی کا ایک رُوپ ہے۔''[6]

یہاں تک کی بحث اور محققین کی رائے سے دو امر واضح ہو جاتے ہیں۔ایک تو یہ کہ ہریانوی اور کھڑی بولی ایک ہیں اور دوسرا یہ کہ حافظ محمود شیرانی کا یہ دعویٰ کہ ہریانوی اُردو کا پرانا رُوپ یا لہجہ ہے،درست نہیں ہے کیونکہ اگر ہریانوی اُردو کا پرانا رُوپ ہوتی تو لفظیات ایک ہوتی۔بعض جگہ پر ہریانوی اُردو سے بالکل مختلف نظر آتی ہے۔مثال کے طور پر 1826ء کے قریب کی ایک نعت جو عورتیں تہجد کے بعد پڑھتی تھیں حاضرِ خدمت ہے۔

جنت میں ایک روکھ سے جس کا ناؤ رمجان
جس کے پتے کتے ؟؟ جتّا ملک جہان
ان پتّیاں پہ کے لکّھیا ۔ ربّی اللہ سبحان [7]

ان اشعار میں استفہامیہ الفاظ کے طور پر کیا بجائے ''کے''نام کی بجائے ''ناؤ''کتنے کی بجائے ''کتے'' برتا گیا ہے جب کہ رمضان کی جگہ ''رمجان'' لکھا گیا ہے۔

1۔ہریانوی کے امدادی افعال سوں،سے،سیں استعمال ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر جاؤں سوں،کت جاوے سے وغیرہ۔

2۔ہریانوی میں ''ش'' کی جگہ ''س'' استعمال ہوتا ہے۔اسی طرح ''خ'' کی جگہ ''کھ'' برتا جاتا ہے۔ جیسے شربت کی بجائے ''سربت''، خون کی بجائے ''کھون''۔اسی طرح ''ز''، ''ظ''، ''ذ'' اور ''ض'' کی جگہ ہریانوی ''ج'' کا استعمال کیا جاتا ہے۔ہریانوی کے الفاظ میں بہت تغیر ہے۔مثال کے طور پر ''کہاں'' کے مقابلے میں ''کت''، ''کتھوڑ''، ''کٹھے''، ''کٹھیاں''، ''کنگھے''، ''کتھوڑیاں'' استعمال ہوتے ہیں۔اتنی وسعت رکھتی ہوئی زبان کبھی بھی اُردو کا روپ اور لہجہ نہیں ہوسکتی۔البتہ اُردو اس زبان سے بہت سے الفاظ سیکھ کر ضرور جوان ہوئی ہے۔اس کا ثبوت اُردو کی ابتدائی دور کی نثر و شاعری ہے۔اگر اُردو کی اوّلین نثر و شاعری کا تنقیدی جائزہ لیں تو ہریانوی کے ٹھیٹھ الفاظ کی کثرت پائی جاتی ہے۔اس کا مطلب ہے کہ جس دور میں اُردو نے جنم لیا اُس وقت ہریانوی کا طوطی بولتا تھا اور ادبی معاشرے میں اس طرح رَچی بسی ہوئی تھی کہ اس کے محاورے، لفظیات، روزمرہ، ضرب الامثال ادب کی زینت سمجھے جاتے تھے۔درج ذیل کتب کا تعلق ہریانوی سے ہے جن میں:

1۔''غرائب اللغات''،از: عبدالواسع ہانسوی 2۔''محشر نامہ''،از: محبوب عالم

3۔''مسائلِ ہندی''،از: محبوب عالم 4۔''دھیر نامہ بی بی فاطمہ''،از: محبوب عالم

5۔''فقہ ہندی''،از: شیخ عبداللہ انصاری

یہ وہ کتب ہیں جو خالصتاً ہریانوی میں تحریر کردہ اور اُردو کی ترویج سے بہت پہلے لکھی گئیں لیکن بعد کی اُردو میں ان کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح اکرم رہتکی کی ’’تیرہ ماسہ‘‘،شاہ عبدالحکیم کی’’خواب نامۂ پیغمبر‘‘،غلام حسین چشتی کی ’’راگ مالا‘‘،شاہ غلام جیلانی رہتکی اور شاہ محمد رمضان شہیدالمعروف ہادی ہریانہ کی کم وبیش گیارہ کتب ہریانوی کی وہ شاہکار ہیں جن پر اُردو نے نشوونما پائی اور پل بڑھ کر جوان ہوئی۔

> ’’ہم نےاس مقالے میں قدیم دکنی(جس کی توجیہہ پروفیسر شیرانی نے پنجابی سے کی ہے) نے اکثر کھوئے ہوئے سررشتوں کی کھوج نواح دہلی کی بولیوں،ہریانوی، کھڑی اور میواتی سے پیش کرکے اُردو سے متعلق ایک نئے نظریے کا خاکہ پیش کیا ہے۔‘‘[8]

ڈاکٹر مسعود حسین خان یہاں تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ حقائق کی کھوج میں آگے نکل جاتے ہیں اور پنجابی کی بہت ساری باتوں کو ہریانوی کے دامن سے نکلتی ہوئی دیکھتے ہیں نیز دکنی دور کی اُردو کا جائزہ لیتے ہوئے بہت اہم نتائج اخذ کرتے ہیں.

> ’’قدیم اُردواور دکنی کا’’پنجابی پن‘‘اس کا’’ہریانوی پن‘‘ بھی ہے۔البتہ شورسینی اپ بھرنش کی جانشیں ہونے کی حیثیت سے پنجابی زبان کے مقابلے میں ہریانوی اور کھڑی بولی کو زیادہ قدیم ماننا پڑے گا۔‘‘[9]

ان حقائق کی روشنی میں اُردو کے ابتدائی نقوش کو پرکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ ڈاکٹر مسعود حسین خان جیسے بڑے محقق کے اس دعوے کو تنقیدی تناظر میں پرکھ کر حقائق سامنے لانا ضروری ہے۔

اُردو کی ابتدائی شاعری’’خالقِ باری‘‘، ’’بکٹ کہانی‘‘ جیسی کتابوں سے شاعری اور’’معراج العاشقین‘‘،’’کلمۃالحقائق‘‘اور’’سب رَس‘‘پرنثری اثرات

کھوجنے کے بعد حقائق مسعود حسین خان کے دعوے کواور مضبوط کرتے دکھائی دیتے ہیں۔''خالقِ باری'' کواُردو کی پہلی کتب میں گنا جاتا ہے۔امیر خسرو کا نظام الدین اولیاء کی وفات سے منسوب یہ کلام دیکھیے:

گوری سووے سیج پر ، مکھ پر ڈالے کیس
چل خسرو گھر آپ نے ، سانجھ بھئی سو دیس [10]

سووے بمعنی سوئے،آپ نے بمعنی اپنےاور سانجھ بمعنی شام برتے گئے ہیں۔ابتدائی کتب میں ہریانوی الفاظ کااس طرح استعمال اُردو میں ہریانوی رچاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔اسی طرح:

دست ، موسل اور ہاون ، اوکھلی
ناج غلہ بار پھل خوشہ پھلی [11]

موسل اوراوکھلی خالص ہریانوی الفاظ ہیں اورایک ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں۔گندم کی پسائی سے پہلے صاف کرنے کے لیےاوکھلی اور موسل کااستعمال ہوتاہے۔اوکھلی ہاون دستہ کی طرح مٹی کا بناہوا خاص قسم کا برتن ہوتاہےاور موسل لکڑی یالوہے کا بناہوا خاص قسم کادستہ ہوتاہے جو گندم وغیرہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ہریانہ میں آج بھی اوکھلی اور موسل کااستعمال کثرت سے ہوتا۔ مرچوں اور ٹماٹر کی چٹنی بنانے کے لیے بھی چھوٹے سائز کی اوکھلی اور موسل استعمال ہوتا ہے:

داکھ یہ انگور اور خورما کھجور
پار دریا کے اوترتا ہے مجبور [12]

داکھ ہریانوی میں کشمش اوراوترتا بمعنی اُترنااستعمال ہوا ہے۔اُترنا کے لیے ہریانوی میں اوترناکالفظ برتاجاتاہے۔

دَکھن سمت جنوب کی جان
اور شمال اوتر پہچان [13]

دِکھن ہریانوی میں دیکھناکے معنی میں استعمال ہوتاہے۔اسی طرح کھاناکے لیے کھاݨ، پہنناکے لیے پہنن، سوناکے لیے سون استعمال ہوتاہے۔

بھگت کبیر عرف کبیر داس کاشی شہر میں پیداہوا۔چودھویں صدی کا بھگت ہے یہ وہی صدی ہے جس میں انگریزی ادب چوسر کی شاعری کی صورت میں ارتقائی منازل طے کررہاتھا۔حلقۂ ادب میں بھگت کبیر کاشہرہ ان کی وفات کے بعد ہوا۔

سکھیا سب سنسار ہے کھاوے اور سووے
دُکھیا داس کبیر ہے جاگے اور رووے [14]



چاکی چلتی دیکھ کے دیا کبیرا روئی
دوئی پٹ بھیتر آئی کے سالم گیا نہ کوئی [15]



ماٹی کہے کمہار سے توں کیا روندے موہے
اِک دن ایسا آئے گا میں روندوں گی توہے [16]

سکھیا بمعنی سکھی، کھاوے بمعنی کھائے، سووے بمعنی سوئے، دُکھیا بمعنی دُکھی، رووے بمعنی روئے، اسی طرح بھیتر بمعنی اندر، کوئے بمعنی کوئی، ماٹی بمعنی مٹی اور روندنا بمعنی پاؤں سے کچلنا ہریانوی کے الفاظ ہیں جو بھگت کبیر کے ہاں عام پائے جاتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہریانوی تیرھویں صدی تک قبولِ عام حاصل کر چکی تھی۔

بھگت کبیر وہ بھگت اور شاعر ہیں جنھوں نے نہ صرف خود پند و نصائح کے لیے دوہا اور ہریانوی کو ذریعۂ اظہار بنایا بلکہ دوسرے ہم عصر شعراء نے بھی ان کی تقلید کی۔ گرو نانک کی بھگت کبیر سے 1496ء میں ملاقات ہوئی تھی۔

''بکٹ کہانی''افضل پانی پتی کی 1625ء کی تحریر کردہ ہے۔ سترھویں صدی کی اس تحریر میں بارہ مہینوں میں ہجر زدہ خاتون کی داستان موجود ہے۔ کہانی کا آغاز بھادوں سے شروع ہوتا ہے۔

کلیجہ کاڑھ کر تجھ کو دکھاؤں
تیرے دو پنکھ پر بلہار جاؤں [17]



لکھوں پتیاں اُڑے اے کاگ لے جا
سلونے سانولے سندر پیا پا [18]

پتیاں بمعنی پتہ، کاگ بمعنی کوّا، پا بمعنی پاس ہریانوی میں پاس کے لیے دھورے، پایاپے استعمال ہوتا ہے۔مثال کے طورپراُس کے دھورے چلیا جایاُاس پے چلیاجاں، گاڈھ بمعنی نکال اُردو میں استعمال ہوتاجو ہریانوی سے آیاہے۔

ارے لوگو! میں کانور دیس جاؤں
سلونے شیام کو ٹونا کراؤں [19]

کاہنور ہریانہ کاوہ علاقہ ہے جہاں سے ہریانوی سانگ اورراگنی کی ابتداء کانور سے بتائی جاتی اور بہارمل جاٹ کا تعلق بھی کانور سے ہے جوہریانوی کا تیسرا بڑاسانگی ہے۔اس کانور سے پہلی راگنی 1206ء میں بتائی جاتی ہے۔شاعراس شعرمیں اپنے آبائی گاؤں جاکراپنے ساجن پر جادوٹونا کرنے کی خواہش ظاہر کرتاہے۔ٹونا بمعنی جادو بھی ہریانوی میں استعمال ہوتاہے۔

تقریباً چھ سوسن عیسوی کے لگ بھگ پراکرت کی ادبی شاخ اور عوام میں بولی جانے والی بولیوں میں فاصلہ بڑھنا شروع ہو گیا۔اس دور کے زبان دانوں نے اُس وقت کی مقبول بولیوں میں اپ بھرنش (بگڑی ہوئی زبان) کہہ کرپکارنا شروع کر دیا۔شروع میں اپ بھرنش نے شہرتِ دوام پائی مگر راجپوتوں کے زوال کے ساتھ غیر مقبول ہونا

شروع ہوگئی۔اس بولی سے مزید پنجابی، گجراتی، راجستھانی، بنگالی، مرہٹی،اُڑیا، بہاری، مشرقی ہندی اور مغربی ہندی پیداہوئی۔مغربی ہندی کی ایک زبان کوکھڑی بولی کہاجانےلگاجودہلی اور دہلی کے گردونواح کی زبان بنی۔اس کی ہی شاخ آگے کیکر کہلائی۔جمنا سے لے کر قدیم درشدواتی کے علاقوں میں بولی جاتی تھی اورہریانوی اس کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ڈاکٹر محمد اشرف کمال،ڈاکٹر مسعود حسین خان کے نظریے کی ترجمانی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

''ماہر لسانیات ڈاکٹر مسعود حسین خان نے اپنے نظریے میں
ہریانوی کو اُردو زبان کا مآخذ قرار دیا ہے جو کہ اپ بھرنش کی ایک
ترقی یافتہ شکل ہے۔''[20]

بقول مسعود حسین خان اگر واقعی اُردو ہریانوی سے مشتق ہے تو ابتدائی نثر پر ہریانوی کے لسانی اثرات ہونے چاہییں۔اُردو نثر کا ابتدائی رسالہ ''معراج العاشقین''خواجہ بندہ نواز گیسودراز کی تصوف پر ایک تصنیف ہے۔اگرچہ اس میں تصوف پر بات کی گئی ہے لیکن زبان میں زیادہ ہریانوی کا رنگ گہرا نظر آتا ہے۔اگرچہ بندہ نواز کی تصوف پر سو سے زائد کتب ہیں لیکن ''معراج العاشقین'' کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ سوال وجواب کی صورت میں عوام کے مجمعے میں لکھا گیا۔اس لیے اس کی زبان عوامی ہے اوراس سے وہ لوگ بھی مستفید ہوئے جو عربی اور فارسی نہیں جانتے تھے۔

''ان اس کے معنی رب کو وہاں دیکھیا کوئی شے خدا اپنے آپ
دیکھیا۔اللہ سوں سے رب کو رات معراج کے ہور میرے جیکوئی
صورت میں۔ہور جوان تھا ہور خوب حُسن تھا لقا تہاں
اپے اکیلا جہاں پیغمبر علیہ السلام دیکھیا کہے سو نور کے آئینے میں

کہے سویوں بات سن کے تمام یاراں آمناوصدقنا کہے۔جو کوئی
ایمان لائے مسلمان ہووےاور نیں لیائے
سو کافر ہووے۔''[21]

اس پیرے میں لفظ ''دیکھیا'' بمعنی ''دیکھا''استعمال ہواہے جو ہریانوی قاعدے کے مطابق موجود ہے۔ہریانوی میں فعل ماضی میں فقرے بناتے وقت ''ا'' کی بجائے ''یا'' کااضافہ کیاجاتاہے۔مثلاًدیکھیا، لکڑیا، سنبھلیاوغیرہ۔

''خدااپنے آپ دیکھیا''پورافقرہ ہریانوی کاہے۔رہتک اور حصار کے اضلاع میں یہ بانگڑوکالہجہ بولا جاتا ہے۔جب اُردو میں پورا مفہوم ادا کرنے کے لیےاس کے ساتھ ''کو''بھی استعمال ہوگا''خدانےاپنے آپ کودیکھیا''ہریانوی میں ''کو'' جیسےالفاظ اس طرح کے فقروں میں استعمال نہیں ہوتے۔''میں سانڈھ دیکھیا''۔اسی طرح ''سوں'' بمعنی ہوں یا ''سے''ہریانوی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔''کونؔ سے؟''،''میں سوں''وغیرہ۔''یو''ہریانوی بمعنی ''یہ''بولا جاتا ہے۔''کہے'' بمعنی ''کہتاہے''ہریانوی شعرونثرمیں استعمال ہواہے۔

''کہے ممتاز بوانی کابن میری نند کے بھائی''

''کہے توروٹی لیاؤں''

اُردو میں اس کا متبادل''کہوتو'' استعمال ہوتا ہے۔''ہووے'' بمعنی ''ہوئے یاہوتے ہیں''ہریانوی زبان میں بولا جاتاہے جیسے ''بھائی ہووے تو دیکھیے نیں''۔''نیں''بمعنی ''نہیں''ہریانوی میں استعمال ہوتا ہے۔''نیں مانے یاکونی مانے''وغیرہ۔

اگرچہ اُردو کی ابتداء دکن سے بتائی جاتی ہے،دکن کی اُردو پر ہریانوی کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔''معراج العاشقین'' کے ایک پیرے میں اتنے سارے الفاظ اور اپنی پرانی زبان کے اصل قاعدے اور لہجے کے ساتھ ہونا محقق کو ایک اور سمت لے جاتے ہیں کہ اس دور میں ہریانوی بحیثیت لسانیات موجود تھی اور گرائمر کے قوانین بھی اس زبان پر پوری طرح لاگو دکھائی دیتے ہیں۔ تحقیق ظاہر کرتی ہے کہ ہریانوی اُس وقت بحیثیت بولی نہیں بلکہ بحیثیت زبان وادب موجود تھی۔

''کلمۃ الحقائق'' برہان الدین جانم کی مذہبی اور تصوف پر لکھی گئی تصنیف ہے۔اس میں سوال اور جواب کی صورت میں شریعت اور طریقت کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

''اس تھے اوّل واوّل کا بھی اوّل وآخر،قدیم وجدید سب اس
تھے بے زبان ہوتا، اس تھے بول میں آیا کہ اوّل تھے اوّل
ہے جملہ مخلوق تھے لامکاں ہے۔۔۔۔''[22]

اس پیرے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جانم تک آتے زبان کافی حد تک صاف اور کافی حد تک عربی اور فارسی کے اثر سے پاک ہو چکی تھی۔''تھے'' بمعنی ''سے'' خالص ہریانوی کا لہجہ ہے اور صرف ہریانوی میں بولا جاتا ہے۔''اُس تھے کہہ دے''، ''تیرے تھے کہیا تو تھا''، ''کس کس تھے بیر ادینا سے'' وغیرہ۔

اسی طرح بول میں آنا، بول دینا، بول کا بھی سیری نہ رہنا۔ہریانوی زبان کے فقرے نوشاد قاصر ہریانوی شاعر کا مشہور گیت ہے ''منے بول دے لیے''۔جانم کا ایک اور پیرا ''کلمۃ الحقائق'' سے دیکھیے:

''سوال: پس سمج نہیں کیوں قرار دیناو تحقیق کوں کیوں
کرانپڑناکہ کچھ نہیں کیوں؟''

جواب: اے عارف توں مخلوق ہے تیرا تعلق ورہنایک جاگاسوں
تعلق دھرتاہے کہ توں بندۂ عاجز بے قدرت وخدائے تعالیٰ کوں
یہ آرزومندی نہیں کہ توں بے قدرت وخدائے تعالیٰ یاقدرت
اپس سوں اپے تھا۔''[23]

''سمج''بمعنی''سمجھ''ہریانوی زبان میں بولاجاتاہےاورابھی پاکستان آئے ہوئے رہتک ضلع کے لوگوں کے ہاں''سمج'' اور''کوں''بمعنی کوبہت بولا جاتا ہے۔''اُس کوں کہہ دے''،''کس کوں لیایا سے گیل''۔''جاگا''ہریانوی میں بمعنی''جگہ''اور اُردو میں بیدار ہونا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔''دھرتا'' بمعنی''رکھنا''ہریانوی لفظ ہے جو کثرت سے بولا جاتاہے۔''تل دھرن نے جگہ کونی تھی''یا''کان کے تلے دودھر دایادھرتا''اُردو میں ''تُوں''ہریانوی کے لفظ''تَوں''سے آیا ہے جس کے معنی تُو یاآپ ہوتے ہیں۔ ''اپّے''مُتشدد لفظ ہریانوی کاہےاورعام فہم استعمال میں آتاہے۔''بکھت پڑے گاتواپّے کرے گا''۔

مُلّاوجہی کی نثر ادبی،لسانی اور تہذیبی وثقافتی حوالے سے بہت اہم ہے۔اس میں لکھی گئی اُردو پر بھی ہریانوی کاطوطی بولتادکھائی دیتاہے۔

''دسریاں کوبڑاکہنا۔جنے اپس کوپچھانیا،اُنے سب
جانیا،جدھر ڈھلناہےاُدھر عقل میں کاکلوت ملتی توحرمت
کانقصان ہوتا۔مدعادورپڑتاعقل تے،اگر منگتاہےدل کوتازا
رکھے مدعاپاوے۔''[24]

''دسریاں''بمعنی''دوسروں''ہریانوی کالفظ ہی نہیں جمع بھی ہریانوی قاعدے کے مطابق بنا ہوا ہے۔ہریانوی میں جمع بناتے وقت''وں''کی بجائے''اں''

کا صیغہ استعمال ہوتا ہے، جیسے چھوریاں، لکڑیاں، باتاں، راتاں، کتاباں وغیرہ۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہریانوی اُس وقت نہ تو صرف بولی تھی اور نہ ہی اُردو کا پرانا رُوپ بلکہ اپنی گرائمر کے اُصول وضوابط بھی رکھتی تھی اور تذکیر وتانیث اور واحد جمع کے اصول بھی مرتب ہو چکے تھے۔''جنے''بمعنی''جن''کے ہریانوی میں بولا جاتا ہے جس کا مطلب''جن لوگوں نے''یا''جس نے''کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

''اُنے''اُردو میں نہیں استعمال ہوتا ہے اور اس کا مطلب اُس نے یا اُن نے، اُن لوگوں نے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔''تے''بمعنی''سے''ہریانوی زبان کا استعمال ہے نہ اُردو کا۔اُردو میں اس کا متبادل''سے''ہے۔مثال کے طور پر:

اُس تے (میرے تھے) کہیے مل جے گا آ کے منے

دکنی نثر پر جائزہ لینا ضروری ہے کیوں کہ خلجی فوجی جب دکن گئے تو دِلّی سے بہت سے اثرات دکن منتقل ہوئے۔

''خلجی جرنیل ملک کافور نے ساحل سمندر تک اسلامی پرچم لہرا دیا۔ان فوجوں کے ساتھ دِلّی میں بولی جانے والی فارسی زبان واسلوب کے ساتھ کھڑی بولی بھی دکن پہنچ گئی۔''[25]

کھڑی بولی جس کی جدید شکل ہریانوی تھی دکن گئی اور 1319ء۔1296ء کی بات ہے۔شمالی ہند اور دکن کے لوگوں کا آپس میں میل جول اور تعلقات سے نئی زبان پرورش پانے لگی۔

''فرہاد ہو کر، دونوں جہاں تے آزاد ہو کر، دانش کے تیشے سوں پہاڑاں اُلٹایا، تو یو شریں پایا، تو یو نئی بات پیدا ہوئی تو اس بات آیا۔ناداں! ایتی باتاں میں یو بھی ایک بات کہ جانے، ولے یو بات کیوں کاڑے، کہیں وضع سوں نکل محنت

نیں سمجھے،مشقت نیں پہچانے،انوکوں نیں کتے زبان
آدر۔"[26]

"آدر"خوش آمدید کے معنی میں استعمال کیاجاتاہےاور خالص ہریانوی زبان کا شبد ہے۔انگریزی میں "Welcome"، سرائیکی میں "ست بسم اللہ"،پنجابی میں "جی آیانوں"،اُردواور فارسی میں"خوش آمدید" کہتے ہیں جب کہ ہریانوی میں "آدر آئے کا" یا"آدر آیاں کا"کہاجاتاہے۔اسی طرح "تے"اور "سوں"اوپر کے پیروں میں پہلے بھی آچکے ہیں اور خالص ہریانوی الفاظ ہیں۔پہاڑاں، پہاڑ کی جمع ہے جو ہریانوی کے قواعد کے مطابق بنائے گئے ہیں۔مثلاًدرختاں،پودیاں،کتاباں،پھولاں وغیرہ "یو"بمعنی "یہ"، "باٹ"بمعنی "انتظار"، "ناداناں"اور "باٹاں"ہریانوی الفاظ ہونے کے ساتھ ساتھ ہریانوی لسانیاتی اُصولوں کو بھی بیان کرتے ہیں۔" کاڑے"بمعنی "نکالے"، "سمجے"بمعنی "سمجھے"بھی ہریانوی میں استعمال ہوتاہے۔" کاڈھے" غرائب اللغات میں "ڈ"کے ساتھ لکھا گیاہے۔بعد میں مُلّاوجہی کے زمانے تک آتے آتے "ڈ"، "ڑ"میں تبدیل ہوچکی تھی۔"نیں"ہریانوی میں "نے"کی جمع کے طور پراستعمال ہوتی ہے۔ایک شخص یاواحد کے لیے "نے"استعمال ہوتی ہے جب کہ جمع کے لیے "نیں"بولا جاتاہے۔مثال کے طور پر:

اُس نے نہیں دیکھدا
تھم نیں نہیں دیکھدا

"کتے"ہریانوی لفظ ہے جو "کہاں"اور "کتنے"کے معنوں میں برتاجاتاہے۔

اس دور کی نثر کو دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہریانوی کے الفاظ نہ صرف عام طورپر استعمال ہوتے تھے بلکہ نثر کا معیار نکھارنے کے لیے، نثر میں جان پیدا کرنے اور نثر کے اسلوب کو خوب صورت بنانے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ اُس وقت کی زبانوں میں ہریانوی ایک اہم زبان سمجھی جاتی تھی اور اُردو ادب کی ترویج میں اس زبان وادب کا بہت بڑا حصّہ ہے۔

لسانی اعتبار سے دکن کی اُردو جو اُردو کی ابتداء پر ہریانوی کے قریب تر ہونے کے اثرات ملتے ہیں۔ چند ضمائر کے ہریانوی ثبوت حاضرِ خدمت ہیں:

1۔ ضمائر متکلم (فاعلی حالت)

اسمائے ضمیر: میں، اپے، ہم، ہمن، ہمنا، ہمیں۔

اپے، ہمن، ہمنا ہریانوی ہیں۔ ''ہمنا'' ضلع کرنال کے لہجے میں آج بھی بولا جاتا ہے۔ ضمیر کے یہ صیغے ''کدم راؤ پدم راؤ'' اور ''خالقِ باری'' جیسی کتب میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔

مفعولی حالت: مجے، منجے، منج کوں، ہمنا، ہمنا کوں۔

اضافی حالت: مو، مج، ہمن (ہریانوی)، مہارا (ہریانوی)، ہمارا۔

2۔ ضمائر مخاطب

فاعلی حالت	واحد	جمع
	تو، توں، تیں	تَم، تمن، تمنا، تمہیں
تُو، توں	توں، تیں	تَم، تَم، تمنا/ تمن
اُردو بندیلی	ہریانوی	برج کھڑی ہریانوی

یا ہریانوی

3۔ ضمائر غائب

	واحد	جمع
فاعلی حالت:	وہ، ود، اُو، اُنے	اُن، اُنو
مفعولی حالت:	اُس، اُس کوں	انوں کوں، اینوں کوں
اضافی حالت:	اُس کا، اوکا	انوکا، اینوکا

4۔ ضمیر موصول

	واحد	جمع
فاعلی حالت:	جو، جنے، جے، جن نے	جن، جنو، جنوں
مفعولی حالت:	جسے، جس تھے، جس کوں	جنوں کو، جناں تھے
اضافی حالت:	جن کا، جن تھے	جنوں کا، جناں کا

ضمیر استفہام، ضمیر اشارہ میں بھی اسی طرح دکن کی اُردو کی ہریانوی کے ساتھ مماثلت یا شراکت پائی جاتی ہے۔ اُردو میں مصدر کی علامت ''نا'' ہے جب کہ ابتدائی اُردو میں ''ناں'' پائی جاتی ہے جو کہ ہریانوی سے اُردو میں آئی ہے۔

1۔ سو بولیا تجھے جو نہ تھا بولناں (کدم راؤ پدم ،شعر:126)

2۔ کھولناں، کرناں

برج بھاشا اور ہریانوی دونوں میں مصدر کی علامت (ن) سے بھی مرکب افعال بنائے جاتے ہیں۔ مثنوی ''نو سرہار'' میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

ع: ڈھونڈن لاگے کدھرے ٹھار (نو سرہار، شعر:567)

ع: رہن لاگے خوشی کے ساتھ (نو سرہار، شعر:590)

ع: اَوٹن لاگا کس کس دھات (نو سرہار، شعر:612)

ع: برہ کی گرہ دل نے کھولن لگی (نو سرہار، شعر:261)

ہریانوی کا اس قدر اُردو کی ابتدائی شعری، نثری اور لسانی کتب میں نمائندگی کرنا ظاہر کرتا ہے کہ ہریانوی زبان وادب ایک زندہ حقیقت ہے اور کبھی راندۂ درگاہ نہیں ہوسکتی۔ ماضی کے دریچوں پر پڑی وقت کی دھول کے نیچے دبے اِن قیمتی خزانوں کو کھوج کر اُردو سے جڑنے والے تانوں بانوں کے حوالے سے حقائق سامنے لائیں جائیں، بڑے لیول پر جامعات میں مقالات کی صورت میں کام کیا جائے اور وقت کی دھول سے پردے اُٹھائے جائیں۔ ماضی میں جسے حافظ محمود شیرانی جیسے محقق نے ذیلی حیثیت دے کر ایک بولی یا اُردو کا پرانا رُوپ کہہ کر حقائق دبانے کی کوشش کی ہے۔ وہ زبان وادب ایک زندہ حقیقت اور مضبوط ادبی حوالہ ہے جو محققین کے اذہان میں ایک سوال بن کر اٹکی رہے گی اور تحقیقی حرارت پیدا کرتی رہے گی۔

حوالہ جات

1۔ قاسم محمود، سیّد، انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا، (لاہور: الفیصل ناشران، 2004ء)، ص: 47

۲۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اُردو لسانیات، (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1960ء)، ص: ۹۵

۳۔ مسعود حسین خان، ڈاکٹر، دکنی یا اُردوئے قدیم، (حیدر آباد: پبلشرز، س۔ن)، ص: 34

۴۔ مسعود حسین خان،ڈاکٹر،مقدمہ تاریخِ زبانِ اُردو،(علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،2008ء)،ص:66

۵۔ ایضاً، ص:64

۶۔ ایضاً، ص:64۔63

۷۔ ایضاً، پیش لفظ

۸۔ ایضاً، پیش لفظ

۹۔ ایضاً، پیش لفظ

10۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادبِ اُردو(آغاز سے1750ءتک)،(لاہور: مجلس ترقیِ ادب، جلد اوّل، جنوری1984ء)،ص:47

11۔ امیر خسرو،خالقِ باری،(لکھنؤ: مطبع نول کشور،فروری1881ء)،ص:15

12۔ ایضاً، ص:11

13۔ ایضاً، ص:11

14۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادبِ اُردو (آغاز سے1750ءتک)،(لاہور: مجلس ترقیِ ادب، جلد اوّل، جنوری1984ء)،ص:84

15۔ ایضاً، ص:86

16۔ ایضاً، ص:44

17۔ محمد افضل،بکٹ کہانی،مرتبہ:مسعود حسین خان/انورالحسن ہاشمی(علی گڑھ: شعبۂ لسانیات، مسلم یونی ورسٹی، طبع دوم،2002ء)،ص:55

18۔ ایضاً، ص:58

19۔ ایضاً، ص:58

20۔ محمد اشرف کمال،ڈاکٹر،لسانیات،زبان اوررسم الخط،(فیصل آباد:روہی بکس،2017ء)،ص:52

21۔ محمد حسینی، سیّد، بندہ نواز گیسودراز، معراج العاشقین، مرتبہ: خلیق انجم، (دہلی: مکتبہ شاہراہ، اُردو بازار، 1957ء)، ص:74

22۔ برہان الدین جانم، کلمۃ الحقائق، مرتب: محمد اکبر صدیقی، (اورنگ آباد: حیدرآباد دکن ادارہ ادبیات، طبع اوّل، 1961ء)، ص:23

23۔ ایضاً، ص:23

24۔ مُلّا وجہی، سب رس (یعنی قصّہ حُسن ودل)، مرتب: شمیم انھونوی، (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1976ء)، ص:15

25۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، لسانیات، زبان اور رسم الخط، (فیصل آباد: روہی بکس، 2017ء)، ص:71

26۔ مُلّا وجہی، سب رس (یعنی قصّہ حُسن ودل)، مرتب: شمیم انھونوی، (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1976ء)، ص:12

حسن رضوی کی ہریانوی شاعری

احمد سجاد بابر

حسن رضوی کی شاعری پر بات کرنے سے پہلے بہتر ہو گا کہ ہریانوی زبان پر تھوڑی روشی ڈال لی جائے۔ ہریانوی تقسیمِ ہند سے قبل صوبہ ہریانہ کی زبان تھی، ہریانہ کا علاقہ آزادی سے قبل انبالہ ڈویژن میں شامل تھا، 1966 میں مشرقی پنجاب کے پنجابی علاقوں کو پنجاب، شملہ اور دامنِ کوہ کا علاقہ ہماچل پردیش اور انبالہ ڈویژن اور دیسی ریاستیں ملا کر 19 اضلاع کا صوبہ ہریانہ تشکیل دیا گیا[1]۔ تقسیم کے وقت ہریانوی زبان مہاجرین کے ذریعے پاکستان آئی اور ملک کے طول عرض میں اس کے بولنے والے موجود ہیں۔ ہریانی یا ہریانوی کو کھڑی بولی، رانگھڑی بھی کہا جاتا ہے، ان کی پرانی شکل برج بھاشا ہے۔ قدیم زمانے میں ہندوستان میں صرف برج بھاشا بولی جاتی تھی جو اس وقت دہلی کے جنوب مشرقی علاقے متھرا، آگرہ وغیرہ میں بولی جاتی ہے[2]۔ کھڑی بولی یا ہریانوی "الف" پر ختم ہوتی ہیں جبکہ برج بھاشا کے زیادہ تر الفاظ "واؤ" پر ختم ہوتے ہیں، جیسے "بڑو، آئیو، گیوُ وغیرہ" اسی نسبت سے اسے پڑی بولی بھی کہتے ہیں[3]۔ انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا، مرتبہ سید قاسم محمود، میں ہریانوی زبان کے بارے میں کچھ یوں درج ہے۔

ایک زبان جو ریاست جیند، انبالہ، کرنال، روہتک، حصار، گوڑگاؤں میں بولی جاتی ہے۔ (4)

اسی طرح معروف محقق اور ماہرِ لسانیات حافظ محمود شیرانی اپنی تصنیف "پنجاب میں اردو "میں ہریانی زبان کی لسانی حدود کا تعین یوں کرتے ہیں

ہریانی زبان مشرق میں اردو، شمال میں اردو اور پنجابی، مغرب میں پنجابی اور " راجھستانی اور جنوب میں راجھستانی زبانوں سے محصور ہے جو دادری، فتح آباد، رہتک، ہانسی، حصار، مہم، گوہانہ، نارنول وغیرہ میں کسی قدر اختلاف سے بولی جاتی ہے، اس میں سر زمین جھجھر کو بھی شامل سمجھنا چاہیئے ہریانوی زبان کی حدود میں ضلع حصار، رہتک، ہانسی، بھوانی، دادری، ریاست دوجانہ، مہم، کلانور، کرنال، ریاست نابھہ، ریاست پٹیالہ کا کچھ حصہ وغیرہ شامل تھے۔ ضلع کرنال کے علاقہ پر جمنا پار کے اضلاع سہارن پور اور میرٹھ کا لہجہ غالب تھا جو اردو کے قریب تر تھا، اسی طرح ضلع گڑگاؤں کی سرحد میوات سے ملتی تھی اور خود گوڑ گاؤں میں میواتی بھی آباد تھے، اس وجہ سے یہاں ہریانی پر میواتی کے اثرات غالب تھے۔ کاہنور اور نگانہ حالانکہ ہم جد تھے، پھر بھی ان کے لہجوں میں فرق تھا، تحصیل ہانسی کے علاقوں کی زبان ٹھوس ہریانی تھی۔(6)

مشہور شاعر، ادیب، نقاد حسن رضوی 18 اگست 1946 کو انبالہ شہر میں پیدا ہوئے۔ ایف اے اور بی اے اسلامیہ کالج گوجرانوالہ سے کیا اور ایم اے اردو کی ڈگری اورینٹئل کالج لاہور سے حاصل کی۔ 1971 میں انٹر کالج جہلم سے تدریسی سفر کا آغاز کیا۔ وہ ریڈیو اور ٹی وی کے معروف کمپیئر ہونے کے علاوہ روزنامہ جنگ لاہور کے ادبی ایڈیشن کے انچارج اور اخبارِ جہاں کراچی کے کالم نگار بھی رہے۔ بھارت نے صحافتی خدمات پر انہیں قاضی عبد الغفار عالمی اردو ایوارڈ سے بھی نوازا[7]۔ ان کے کریڈٹ پر میڈم نور جہاں کا گایا ہوا ایک اور شہرہ آفاق اور امر گیت " کبھی کتابوں میں پھول رکھنا" بھی شامل ہے۔ آپ کئی شعری مجموعوں، سفر ناموں، انٹرویوز پر مبنی کتب کے خالق ہیں۔ اپنے مشہورِ عالم

گیت "پیارے، پِیارے، تھارے بنالاگے ناہی مھاراجیارے" جواستاد نصرت فتح علی خاں نے گایا، کی تخلیق کے بارے میں حسن رضوی لکھتے ہیں۔

میں نے خان صاحب سے کہا کہ خان صاحب اب تک آپ اُردو، پنجابی اور سرائیکی میں " بے شمار مقبول گیت گا چکے ہیں، اب ایک ایسی زبان میں بھی گائیں جوان سب سے قدرے مختلف ہے مگر پاکستان میں مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے آنے والوں اور بھارت کے بہت سے علاقوں میں نہ صرف بولی جاتی ہے بلکہ بے حد مقبول بھی ہے۔انہوں نے کہا کوئی گیت یا غزل سنائیں۔میں نے انہیں یہ غزل ارو گیت سنائے

دیکھیں ہیں جب سے ہم نے، نظریں اُتاریاں ہیں

سارے جہاں سے پیاری، انکھیاں تمہاریاں ہیں

بول رے گھنگرو بول

پیارے، پِیارے

خان صاحب کو غزل اور گیت بہت پسند آئے اور وہ وہیں ہارمونیم لے کر بیٹھ گئے، تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے حاجی اقبال نقیبی سے کہا کہ نوٹیشن کے لئے کسی کو بلائیں اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے ایک نشست میں لاہور پی ٹی وی کے پروگرام نغمہ گر کے لئے یہ غزل اور گیت ریکارڈ ہو گئے۔غزل خان صاحب نے خود گائی اور اپنی گائیکی کا کمال دکھایا۔پہلا گیت حمیرا چنااور دوسرا حمیرا ارشد کی آواز میں ریکارڈ ہوا۔پروڈیوسر خاور سیال کا یہ پروگرام نغمہ گر بہت پسند کیا گیا۔خان صاحب کو "پیارے، پِیارے "اتنا پسند آیا کہ انہوں نے بعد میں اس کادوبارہ ارینجمنٹ کروایااور پھر ایک "انترہ" کے اضافے کے ساتھ اس خوبصورتی سے گایا کہ جس کسی نے بھی سناوہ عش عش کر اُٹھا۔یہ گیت کھڑی

بولی میں ہے جس کا تعلق میری جائے پیدائش انبالہ شہر سے ہے۔اس بولی کے لہجے کی مہک یو۔پی،راجھستان،حیدرآباد دکن اور پنجاب تک پھیلی ہوئی ہے۔بھارت میں اس بولی کے علاقے کو اب ہریانہ کہتے ہیں اور یہاں کی کھڑی بولی کو اب ہریانوی کہا جاتا ہے۔اس بولی کے لفظوں میں ایک خاص مٹھاس اور موسیقیت کے سبب مجھے اس میں کے لئے جتنے بھی پروگراموں کے گیت PTV گیت لکھنے کی تحریک ہوئی۔سو میں نے PTV کے لئے لکھے،ہرپروگرام میں اس بولی کا ایک گیت ضرور شامل کیا۔ابتدا میں ایگزیکٹیو پروڈیوسر فرخ بشیر،جو خود بھی بہت اچھے ستار نواز ہیں اور موسیقی کے اسرارو رموز سے گہری واقفیت رکھتے ہیں،نے ان گیتوں کی گائیکی میں میرا ساتھ دیا،شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ بولی ان کی مادری زبان ہونے کی وجہ سے ان کے لئے خاصی مانوس تھی،اس کے علاوہ ایوب خاور اور حفیظ طاہر نے بھی اپنے پروگراموں میں اس بولی کے گیت گوائے اور ایک نئی طرح کو آگے بڑھایا۔اس کھڑی بولی میں میں لکھے گئے استاد نصرت فتح علی خاں کی آواز میں اس گیت کو نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ جہاں جہاں اس زبان اور بولی کو سمجھنے والے موجود ہیں،بے حد سراہا جارہا ہے

حسن رضوی کے شعری مجموعے "پِیارے،پِیارے" سے چند منتخب گیت ملاحظہ کیجئے جن میں ہریانوی لہجے اور الفاظ کا استعمال کس خوبصورتی سے کیا گیا ہے

پِیارے،پِیارے

تھارے بنالاگے ناہی

!!!مھاراجیارے۔۔۔

نیناں نے تھاری کیسا جادو کیا رے

!!!پِیارے،پِیارے۔۔۔۔

اسی طرح ذیل کے گیت میں حسن رضوی نے "کاگا، ہولے ہولے، چھنکن لاگیں، دکھاوے، مھاری، تھارے وغیرہ" کو کمالِ خوبصورتی سے استعمال کرتے ہوئے ہریانوی کو پرو دیا ہے

بولے بولے رے، کاگا بولے رے
گھر آجا سجن ہولے ہولے رے
بانہوں کی چوڑیاں چھنکن لاگیں
کانوں کا بالا روپ دکھاوے
چھن چھن چھنکے، مھاری پائلیا
گیت ملن کے گاوے کوئلیا
من میں مھارے، کُوک رہی ہے
ساجن پیار کی تھارے مرلیا

جب سے پیا پردیس گ ؤ رے
مھاریاں انکھیاں بھیگ ریو رے
پیار کے دھاگے، کچے دھاگے رے
گیت سنوں تھارے چین نہ آوے
تھارے بنا مھارا جی گھبراوے
تھاری صورتیا، ہر دم آگے رے

اسی طرح "ترتی، باتاں، راتاں، انکھیاں، دھریاں، زلفاں، پھُلاں، پرچھاواں وغیرہ" الفاظ اور مفہوم کی چاشنی کو دو آتشہ کر رہے ہیں

تیرے ملن کو میں بھی ساجن

!! کچّے گھڑے پر تَرتی۔۔۔

!!تو ساون میں دھرتی۔۔

اسی طرح ذیل کے اشعار میں لفظ "دھرنا" بمعنی "رکھنا" اور "پُھلّاں جیسا پر چھاواں خالص ہریانوی الفاظ ہیں جن کو حسن رضوی نے کمالِ مہارت اور تغزّل سے استعمال کیا ہے

مہکیاں مہکیاں اس کی باتاں
اس کے روپ سے روشن راتاں
اس کی انکھیاں پیار سے بھریاں
من میں اس کی یاداں دھریاں
کالیاں کالیاں زُلفاں اس کی
پھُلاں جیسا ہے پر چھاواں
گیت سدا میں اس کے گاواں
اپنے دیس سا اور نہ کوئی
تیری پگ ہے میری لوئی
بول رہے ہیں پیڑ پہ کاگے
!! پیا سنگ لاگے جیا۔۔۔
پیا سنگ لاگے۔۔۔۔
بلم مھاری انکھ پھڑ کے
سجن مھارا دل دھڑ کے
دل دھڑکے مھارا تھارے لئی
اکھ پھڑکے مھاری تھارے لئی

پیراں کی جھانجھر چھم چھن بولے
تھارے بنااب دل مھاراڈولے

ہریانوی زبان کی چاشنی حسن رضوی کے ہر ہر مصرعے سے نمایاں ہے،اس زبان کی بُنت،لہجہ عوامی ہے،اس کے الفاظ ہمارے چاروں طرف موجود ہیں،دورِ قدیم سے عصرِ حاضر تک اس نے اپناوجوداور شان وشوکت برقرار رکھی ہے۔حسن رضوی کا یہ کام ایک نیاپہلو رکھنے کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہے گا

کتابیات:

مقالاتِ حافظ محمود شیرانی مرتبہ مظہر محمود شیرانی،ناشر مجلسِ ترقی ادب لاہور 1

۔جب پاکستان بنااز کنور نثار احمد 1

۔گردشِ اقوام از رانا محمد حنیف 1

۔داستانِ تاریخِ اردواز پروفیسر حامد حسن قادری،ناشر لکشمی نرائن اگر 2 وال،آگرہ۔1941

۔اردوزبان کا تاریخی تناظر از مرزا خلیل احمد بیگ 3

۔انسائیکلوپیڈیاپاکستانیکا،مرتبہ سید قاسم محمود 4

۔مقالاتِ حافظ محمود شیرانی مرتبہ مظہر محمود شیرانی،ناشر مجلسِ ترقی ادب لاہور 5

۔ہیرے اور کنکر از راؤ یسین قائم خوانی 6

۔کوئی آنے والا ہے از حسن رضوی مطبوعہ سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور 7

۔"پیارے" از حسن رضوی مطبوعہ خزینہ علم وادب لاہور 8 ©